مولانا محمد شہاب الدّین ندوی

قرآن مجید

اور

دُنیائے حیات

جدید سائنس کی روشنی میں چند حقائق

فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، ۱۶۵، دائیر بلی، بنگلور ۵۷

بسلسلہ مطبوعات فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ ۔ ۱۴

قرآن اور نباتاتی سائنس سیریز ۔ ۱

قرآن مجید

اور

دُنیائے حیات

جدید سائنس کی روشنی میں چند حقائق

فطرت و شریعت کی حیرت انگیز مطابقت اور عالم انسانی کے لئے ایک انوکھا پیغام

از

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

جنرل سکریٹری فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ

ناشر

فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ ۱۶۵/۷ داسرہلّی، بنگلور ۔ ۵۷

فون : 384733

نام کتاب ـــــ قرآن مجید اور دنیائے حیات

مصنف ـــــ مولانا محمد شہاب الدین ندوی

بار اول ـــــ ۱۹۸۶ء

تعداد ـــــ دو ہزار

کتابت ـــــ مسیح الزماں پورنوی

مطبوعہ ـــــ کلاسیکل پرنٹرس دہلی ۶

قیمت ـــــ روپے

FURQANIA ACADEMY Rs. 30/-

:شائع کردہ:

فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ

۱۶۵ء داسرہلّی، بنگلور ۵۷

باہتمام

عبداللہ زبیر و مولوی شفیق الرحمن

فون: 384733

انتساب

والدین کے نام، جن کی بے انتہا شفقت اور دینی و اخلاقی تربیت کے باعث مجھ میں دین کے شعوری مطالعے کا ذوق پیدا ہوا اور میں اس قابل ہوا کہ اپنی بات دوسروں کو سمجھا سکوں۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ ان دونوں کی بخشش فرمائے اور اعلیٰ علیین میں انہیں جگہ عطا فرمائے۔

آمین

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

مقدمہ

قرآن مجید دین و شریعت کا مجموعہ اور ضوابط اخلاق پر مشتمل نامۂ ربانی ہے جو نوع انسانی کی فکری و عملی زندگی میں رہنمائی و رہبری کے لئے نازل کیا گیا ہے، تاکہ ہر دور میں نوع انسانی کی فکری واعتقادی حیثیت سے اصلاح کی جا سکے اور اس کے عمل و کردار کی درستی عمل میں آسکے۔ اس لئے اس کو دینی و شرعی اور فکری واعتقادی ہر حیثیت سے ایک جامع صحیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ وہ فکر و نظر کے ہر میدان میں باطل کی سرکوبی کر سکے اور گمراہ کن عقائد واعمال کا ــــ جو دین واخلاق پر اثر انداز ہو سکتے ہوں ــ علمی و عقلی حیثیت سے بھی مقابلہ کر کے نوع انسانی کو راہ راست پر لا سکے۔

یہی وہ بنیادی غرض و غایت ہے جس کی بنا پر اس کتاب حکمت کو گلہائے رنگ رنگ سے آراستہ و پیراستہ کر کے ایک عظیم ولاثانی صحیفے کا روپ دیا گیا ہے، تاکہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اس کی رہنمائی کا یہ پہلو غالب ونمایاں ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیائے انسانیت کے اس حیرت انگیز صحیفے میں تشریعی امور کے پہلو بہ پہلو تکوینی مسائل بھی مندرج ہیں۔ گویا کہ

صحف سماوی کا یہ آخری نامۂ ہدایت تکوین و تشریع کا ایک مکمل اور بے مثال صحیفہ ہے جو بصیرت افروز انداز میں نوعِ انسانی کو دعوت الی اللہ دیتا ہے، جس کی کوئی مثال دیگر صحیفے اور کتابیں پیش کرنے سے عاجز دکھائی دیتی ہیں۔

آج کی صحبت میں قرآن حکیم کے اس انوکھے روپ کی صرف ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے کہ وہ کس طرح مختصر ترین مگر اعجازی الفاظ و انداز میں دین و حکمت، علم و فلسفہ اور اخلاق و کردار کے کیسے کیسے مسائل سے بحث کرتا اور فکر و نظر کی گرہیں کس طرح کھول کر رکھ دیتا ہے! اس ملاحظے سے جہاں ایک طرف مسکت و مدلل طور پر موجودہ دور کی فکری و اعتقادی گمراہیوں کا پردہ چاک ہوتا ہے، جو الحاد و مادیت پر مبنی ہیں اور جن کو غلطی سے "سائنسی حقائق" کا رنگ دے دیا گیا ہے، تو دوسری طرف عالم انسانی کے لئے ایک انوکھا اور بصیرت افروز پیغام ہدایت بھی سامنے آتا ہے، جو ساری دنیا کے لئے عموماً اور دنیائے سائنس کے لئے خصوصاً ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

قرآن حکیم کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس کی بے مثال اختصار پسندی کے باوجود اس کی آیات میں اس قدر جامعیت ہوتی ہے کہ اس کی تفصیل و تشریح کے لئے علوم و معارف کے سمندروں کو کھنگالنا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک علیم و حکیم اور ہمہ داں اور ہمہ بیں ہستی کا کلام ہے۔ جس نے اپنی تخلیقات کے رازہائے سربستہ کو چند مختصر ترین کلمات میں اس طرح سمو دیا ہے کہ ان کی

تفصیل و تشریح سے تمام علوم و فنون عاجز و بے بس دکھائی دیتے ہیں اور عقل انسانی حیران و ششدر رہ جاتی ہے۔ یہ کوئی افسانہ یا شاعری نہیں بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے، جیسا کہ زیر نظر کتاب کے مطالعے سے ظاہر ہوگا۔

یہ کتاب ایک مقالے کی شکل میں ماہنامہ البلاغ کراچی کو بھیجی گئی تھی۔ مگر افسوس کہ اس کی صرف چند ہی قسطیں شائع ہو سکیں۔ اور اس سلسلے میں بعض تلخ تجربات سے سابقہ پڑا اور کچھ بدمزگی بھی پیدا ہوگئی۔ پھر اس کا ایک دوسرا مسودہ کتابی شکل میں اشاعت کی غرض سے کراچی ہی کے ایک علم دوست اور صاحب خیر کے حوالے کیا گیا تھا۔ مگر کئی سال کے التوا کے بعد وہ شائع تو ہوگیا مگر بڑے بدسلیقے کے ساتھ۔ اور وہ بھی بغیر کسی تعارف یا پیش لفظ کے۔ لہٰذا اب اللہ کا نام لے کر نئے سرے سے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھانا پڑا ہے۔ اس کتاب کا نام پہلے "قرآن مجید اور بیالوجی" تجویز کیا گیا تھا۔ جس کو کراچی کے ناشر صاحب نے بدل کر "بیالوجی قرآن کی نظر میں" کر دیا تھا۔ اب یہ دونوں نام بدل کر "قرآن مجید اور دنیائے حیات" رکھا گیا ہے۔ بیالوجی (BIOLOGY) کے معنی ہیں "علم الحیات" یا "حیاتیات"۔ یہ سائنس کی اس شاخ کا نام ہے جس میں زندہ اشیاء یعنی حیوانات اور نباتات کے احوال و کوائف اور ان کی خصوصیات سے بحث کی جاتی ہے۔ اور اس کتاب میں چند ایسے ہی حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں جن سے قرآن حکیم نے بحث کی ہے۔ اور ان کی تفصیل و تصدیق جدید علوم اور جدید تحقیقات سے بخوبی ہوتی ہے۔

الحمد للہ میری ایک اور نئی اور اہم کتاب "اسلام کی نشأۃ ثانیہ:
قرآن کی نظر میں"، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۱ء سے چھپ گئی ہے،
جس کے لئے میں نے کئی سال تک جدوجہد کی اور اس سلسلے میں پاکستان
کے دو سفر بھی کر ڈالے ۔ اس کا پیش لفظ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
نے سپرد قلم کرتے ہوئے کتاب اور اس کے موضوع کی کافی تحسین و توصیف
کی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نہ صرف میری ایک اہم ترین تصنیف ہے (جس میں
میں نے اپنے پچیس سالہ قرآن اور سائنسی علوم کے مطالعہ کا نچوڑ پیش
کر دیا ہے) بلکہ یہ اکیڈمی کے نئے دور کا بھی ایک تحفہ ہے ۔ کیونکہ عمارت
کی تعمیر اور لائبریری کی تشکیل نو اور اس کی شاندار ترقی کے بعد پورے سکون
قلب کے ساتھ لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب بھی ہے ۔ اس کے چند ابواب
ماہنامہ برہان دہلی میں، دو ابواب ماہنامہ المعارف لاہور میں اور ایک باب
ماہنامہ تہذیب الاخلاق لاہور میں شائع ہو چکے ہیں ، جن کو علمی حلقوں میں کافی
پسند کیا گیا اور ان کی بہت پذیرائی ہوئی ۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن
انشاء اللہ بہت جلد فرقانیہ اکیڈمی کی جانب سے شائع ہوگا ۔

سالہا سال کے کام اور علمی تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب
تک مناسب سرمایہ اور انتظامی معاملات کو سنبھالنے والے کچھ افراد موجود نہ ہوں
کسی علمی ادارے کو چلانا بہت مشکل ہے ۔ اور پھر موجودہ علمی کساد بازاری کے دور
میں کسی علمی کتاب کو چھاپ کر اس پر خرچ کی ہوئی رقم کی بازیافت ناممکن
نہیں تو ایک معجزے سے بھی کسی طرح کم نہیں ہے ۔ اسی بنا پر میں نے

کچھ عرصہ پہلے یہ پروگرام بنایا تھا کہ کتابیں تصنیف کر کے کسی دوسرے ادارے کو چھاپنے کی غرض سے دے دی جائیں۔ اور اسی غرض سے راقم سطور نے پاکستان کے بھی دو سفر کر ڈالے۔ مگر نتیجہ بڑا حوصلہ شکن نکلا اور یہ بیل منڈھے چڑھنے سے رہ گئی۔

غرض ان تمام اعتبارات سے علم کی اشاعت ایک نہایت درجہ پیچیدہ اور دشوار ترین مسئلہ بن گئی ہے۔ یوں بھی یہ بات مشہور ہے کہ "جنوب میں جمود ہے"، مگر بندہ اس جمود کو توڑنے کی راہ میں اپنی ساری صلاحیتیں مسلسل صرف کرتے ہوئے پورے عزم و حوصلہ سے کام کر رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب حالات رفتہ رفتہ سدھر رہے ہیں اور کچھ رفقاء بھی فراہم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ نشر و اشاعت کی ذمہ داریاں اب عزیزی عبداللہ زبیر اور مولوی شفیق الرحمٰن نے لے لی ہیں، جس کی وجہ سے اب مجھے پورے سکون کے ساتھ تصنیفی کام کرنا آسان ہو گیا ہے۔ اسی طرح کتابوں کی نکاسی کے لئے ممبر شپ کا ایک ضابطہ بنا کر ممبر سازی کی مہم تیز کی جا رہی ہے۔ جس کی وجہ سے کافی حوصلہ افزا نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ لہٰذا علم دوست حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مخلصانہ اور درد مندانہ طور پر اس مہم کو کامیاب بنائیں۔ تاکہ ہم اس سرزمین میں دین و علم کی کچھ خدمت کر سکیں اور ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر ہو۔ یہ علمی ادارہ جنوب کی آبرو ہے جس کا تحفظ آپ کا بھی ایک ملی و اخلاقی فریضہ ہے۔

الحمدللہ فرقانیہ اکیڈمی اس وقت ایک ٹرسٹ کی شکل میں جلوہ گر

ہو کر اپنی نشأۃ ثانیہ کا آغاز کر رہی ہے۔ ٹرسٹ بننے کے بعد سب سے پہلی جو کتاب ادارے سے شائع ہوئی وہ شریعت اسلامیہ سے متعلق ہے۔ یعنی "سپریم کورٹ کا فیصلہ: حقائق و واقعات کی روشنی میں"۔ اور اس سلسلے کی چند مزید کتابیں بھی منظر عام پر آنے والی ہیں۔ چونکہ ہندوستان میں تحفظ شریعت کا مسئلہ ایک اہم ترین مسئلہ بن گیا ہے، اس لئے اس موضوع پر بھی کچھ کام کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس طرح یہ اکیڈمی اب فطرت و شریعت دونوں کی جامع و محافظ نظر آتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے ایک ہاتھ میں شریعت ہو تو دوسرے ہاتھ میں قانون فطرت بھی ہونا چاہئے۔ ورنہ اس مادی اور اسباب و علل سے بھرپور دنیا میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہی اونچ نیچ سے عاری ایک متوازن نظریۂ حیات ہے جس کی تعلیم قرآن حکیم دیتا ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے راقم سطور کی کتاب "اسلام کی نشأۃ ثانیہ: قرآن کی نظر میں"

میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ قرآن حکیم کا ایک ایسا انسائیکلو پیڈیا تیار کر دیا جائے جو اہل علم اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے ایک بنیادی ماخذ کا کام دے سکے۔ مغربی اقوام نے مختلف علوم و فنون سے متعلق بیسیوں انسائیکلو پیڈیا مرتب کر کے شائع کر دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ بائبل جیسی آؤٹ آف ڈیٹ کتاب تک کے متعدد انسائیکلو پیڈیا (دائرۃ المعارف) نہایت درجہ محنت و جانفشانی کے ساتھ تیار کر کے منظر عام پر لائے جا چکے ہیں۔ ان کتابوں کی خوبی یہ ہے کہ علمی کام کرنے والوں کو منٹوں میں متعلقہ تمام معلومات یکجا مل

جاتی ہیں جو ایک اہم ماخذ و مرجع کا کام دیتی ہیں مگر قرآن حکیم پر جب کوئی علمی وتحقیقی کام کرنے بیٹھتا ہے تو وہ حیرانی و سرگردانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس موضوع پر کوئی انسائیکلوپیڈیا موجود نہیں ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ خاص طور پر قرآن مجید کے متعلقہ علوم وفنون، اس کے مضامین و مندرجات، اقوام و اعلام، تاریخی و جغرافیائی مباحث اور سائنسی و اثریاتی حقائق وغیرہ پوری جامعیت کے ساتھ تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں مرتب کئے جائیں۔

یقیناً یہ ایک جگر کاوی اور پتہ ماری کا کام ہے، جو وسائل کی فراوانی کا بھی متقاضی ہے۔ بہرحال بندہ اس سلسلے میں آہستہ آہستہ مگر مثبت طور پر جدوجہد کر رہا ہے اور مختلف خاکے و منصوبے بنا رہا ہے۔ اب دیکھئے اس عظیم الشان کام کے لئے وسائل کب اور کس طرح فراہم ہوتے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل نظریۂ ارتقا کے خلاف علمی اور قرآنی نقطۂ نظر سے تحقیقی کام میں مصروف رہا، جس کے نتیجے میں دو کتابیں تیار ہو گئیں۔ پہلی کتاب میں قرآنی نظریات اور اس کے قطعی نصوص کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ارتقائی طور پر یا خود بخود نہیں بلکہ تخلیق خصوصی کی حیثیت سے عمل میں آئی تھی۔ نیز یہ کہ قرآن کی نظر میں آدم محض نوعِ انسانی کا ایک تمثیلی نمائندہ نہیں بلکہ ایک تاریخی شخصیت کا نام تھا، جو ابوالبشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اور دوسری کتاب میں قرآن حکیم کے علمی دلائل کے علاوہ خود سائنسی حقائق و معارف کے روشنی میں نظریۂ ارتقاء کا ایک غیر ثابت شدہ اور غیر علمی نظریہ بلکہ ایک خیالی مفروض

ہونے کی حقیقت ناقابل تردید طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ درحقیقت موجودہ علمی دنیا کا وہ عالمگیر مسئلہ ہے جو آج جدید تعلیم یافتہ تقریباً تمام اہل علم کے سامنے ایک بہت بڑے سوالیہ نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہ نظریہ آج تمام انسانی علوم و فنون اور اس کے افکار و اذہان پر پوری طرح چھایا ہوا ہے۔ اور اہل علم کی بہت بڑی تعداد اس کو صحیح سمجھتی ہے جو دین و اخلاق کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی بنا پر دین و اخلاق کی گرفت جدید ثقافت سے بہرہ ور انسانوں پر ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ کیونکہ اب انہیں یہ سب باتیں پرانے دور کی یادگار نظر آتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج عالم اسلام اور اس کے مراکز بھی ان مادہ پرستانہ افکار و نظریات سے پوری طرح مسحور نظر آرہے ہیں۔ مگر ہمارے علماء کی طرف سے اس قسم کے مسائل میں سکوت و خاموشی نے معاملے کو اور بھی زیادہ سنگین بنا دیا ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ بے چارے اس قسم کے مسائل سے واقف ہی نہیں ہیں اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

بہر حال ان ملحدانہ اور مادہ پرستانہ افکار و نظریات کی بیخ کنی کے لئے ایک ہمہ گیر آپریشن کی ضرورت ہے۔ اور یہ ہمہ گیر عمل موجودہ دور میں قرآن حکیم ہی کو بنیاد بنا کر کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں سب سے پہلے خود اپنے گھر کی فکر کرنی چاہیئے اور اپنی نئی نسل کو ملحد و بے دین بننے سے بچانا چاہیئے۔ زیر نظر کتاب میں بھی ضمناً اس گمراہ کن نظریہ کی تردید میں چند بحثیں ملیں گی۔

بندہ ایک عرصہ سے ذیابطیس کا مریض چلا آرہا ہے جس کی وجہ سے پیروں میں شدید درد رہتا ہے۔ اور بعض اوقات اٹھنا بیٹھنا مشکل

ہو جاتا ہے۔ اس شدید حالت میں بھی تحقیق و تصنیف میں مسلسل مصروف
و منہمک رہتا ہوں۔ متعدد اسفار اور دورے بھی اسی حالت میں ہوتے رہتے
ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ بلکہ اسفار کے بغیر اداروں کا
چلنا نہایت درجہ مشکل مسئلہ ہے۔

بہر حال میری خواہش اور تمنا یہی ہے کہ اب جتنی بھی زندگی باقی رہ
گئی ہے اس میں جس قدر بھی قرآن عظیم کی خدمت ممکن ہو کر دی جائے،
جو توشۂ آخرت ثابت ہو۔ عمر کی چوّن منزلیں گذر چکی ہیں۔ قارئین
سے دعا کی درخواست ہے۔

خادم قرآن
محمد شہاب الدین ندوی

دوشنبہ ۲۲؍شوال ۱۴۰۶ھ
۳۰؍جون ۱۹۸۶ء

قرآن حکیم کا انوکھا اعجاز

قرآن حکیم اصلاً دین و اخلاق اور شرعی قوانین کی کتاب ہے مگر ضمناً اس میں فطرت کی تمام نیرنگیوں کا تذکرہ اور فکر و نظر کو جلا دینے والے ضوابط کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس لحاظ سے مختلف علوم و فنون کے حقائق و معارف سے لبریز یہ ایک حیرت انگیز کتاب ہے اور اس کے اسرار و عجائب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کتاب حکمت میں جس علم و فن کا بھی ماہر گہری اور عمیق نظر ڈالے گا اسی قدر اس کی عظمت و جلال کے نقوش اس پر مرتسم ہو جائیں گے۔ اور وہ اس کلامِ برتر کی حقانیت کے ملاحظہ سے مبہوت و حیرت زدہ رہ جائے گا۔

قرآن حکیم کے اعجاز کا یہ ایک انوکھا اور بے مثال پہلو ہے کہ وہ باوجود ایک سادہ اور غیر پیچیدہ کلام ہونے کے۔ جس سے ایک عالم اور عامی دونوں برابر مستفید ہو سکتے ہیں۔ گہرے ابدی حقائق اور ایسے اعلیٰ علمی نتائج کا حامل ہوتا ہے جن تک انسان صدہا سال کے غور و فکر کے بعد پہنچتا ہے۔ گویا کہ قرآن حکیم میں مختلف علوم و فنون کے بنیادی نکات ودیعت کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ متعلقہ علوم کے ماہرین جب اس صحیفۂ ربانی پر گہری نظر ڈالتے ہیں تو ان پر نہ صرف رموز و اسرار کا دروازہ کھل جاتا ہے بلکہ ان پر ربانی ہدایت و رہنمائی کے متعدد پہلو بھی واضح ہو جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کا کمال یہ ہے کہ ایک ہی آیت ایک عامی کو بالکل سادہ اور سپاٹ نظر آتی ہے۔ مگر ایک عالم کو وہی آیت حقائق و معارف سے لبریز دکھائی دیتی ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ متعدد علوم کے ماہرین کو وہی آیت اپنے اپنے علم و فن کے لحاظ سے مختلف نظر آتی ہے۔ گویا کہ وہ مختلف علوم کے لحاظ سے بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کا مجموعہ ہوتی ہے جس سے ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ صرف خدائی کلام ہی کی خصوصیت ہو سکتی ہے ورنہ انسانی کلام یا انسانی لٹریچر میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ جیسا کہ زیر بحث مقالے میں سورۂ اعلیٰ کی چند آیات کریمہ اور ان کی تشریح و تفسیر سے ظاہر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم میں مختلف علوم و فنون سے متعلق بے شمار اشارے کنائے موجود ہیں جن کو سمجھنے کے لئے متعلقہ علوم اور ان کی تفصیلات سے بحث کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح قیامت تک جتنے بھی علوم و فنون ــ خصوصیت کے ساتھ نظام کائنات سے متعلق وجود میں آتے جائیں گے۔ اور ان کی جو بھی تحقیق و تدقیق ہوتی جائے گی، ان کی تمام تفصیلات کو قرآنی اشارات کے ذیل میں لایا جا سکتا ہے۔ گویا کہ انسان اپنے ہی علم و فن کے زور میں قرآن عظیم کی نئی نئی تفسیریں کرتا چلا جائے گا۔ مگر پھر بھی قرآنی حقائق و معارف کی نہ تو انتہا ہوگی اور نہ اس کی تفسیر کبھی مکمل ہو سکے گی۔

یہ بھی ایک پہلو ہے حدیث شریف کے اس فقرے کا "ولا تنقضی عجائبہ" یعنی اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہو سکیں گے بلہ

قرآن حکیم کو مختلف علوم و فنون کے اسرار و معارف سے آراستہ کرنے کے چند مقاصد یہ ہیں:۔

۱۔ نوع انسانی پر یہ ظاہر کیا جائے کہ جس ہستی نے یہ کائنات تخلیق کی ہے اسی ہستی نے اس کلام برتر کو بھی نازل کیا ہے، ورنہ ان دونوں میں اس قدر مطابقت و ہمنوائی نہ ہوتی۔

۲۔ قرآن اور کائنات کے گہرے مطالعہ سے جو رموز و حقائق واشگاف ہوتے ہیں وہ حیرت انگیز طور پر مومنین کے لئے تقویت اور منکرین کے لئے حجت کا باعث ہوتے ہیں۔

۳۔ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق نئے نئے دلائل و براہین سامنے آتے ہیں اور نئے علم کلام کی تدوین عمل میں آتی ہے۔

۴۔ قیامت تک ہر دور کی رہنمائی ہوتی رہتی ہے۔

بہر حال قرآن اور کائنات کے گہرے مطالعہ اور تفکر و تدبر کی بدولت ایک ہمہ دان و ہمہ بین ہستی کا وجود ثابت ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم ہستی کی نظروں سے اس عالم رنگ و بو کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی غائب و مستور نہیں ہے۔ یہی وہ بنیادی اسباب ہیں جن کی بنا پر اس کتاب حکمت کو کائنات اور نظام کائنات کے مختلف رازوں کا امین بنا دیا گیا ہے۔

سلہ ترمذی، باب ماجاء فی فضل القرآن۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥	ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟ (انبیار : ۱۰)
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ	اور ہم نے تم پر وہ کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ (نحل : ۸۹)
قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط	کہہ دو، اس کتاب کو اس نے اتارا ہے جو زمین اور آسمانوں کے (تمام) بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ (فرقان: ۶)
اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا یہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہ ہوں گے جو زمین و آسمانوں کی پوشیدگیوں (اسرار سربستہ) کو ظاہر کر دیتا ہے۔ (نمل : ۲۵)
وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ٥	اور ارض و سما کا کوئی ایسا راز (سربستہ) نہیں ہے جو (اس) کتاب روشن میں موجود نہ ہو۔ (نمل : ۷۵)

خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ٥	اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حکمت و مطابقت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یقیناً اس باب میں اہل ایمان کے لئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ (عنکبوت: ۴۴)
سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ٥	ہم ان منکرین حق کو اپنے نشانات و دلائل دکھادیں گے، اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی اپنی ہستیوں میں بھی، تاآنکہ اس کلام برتر کی حقانیت ان پر واضح ہو جائے۔ کیا یہ بات ان کی (تسلی وتشفی کے لئے) کافی نہیں ہے کہ تیرا رب (اس عالم رنگ و بو کی) ہر چیز سے واقف ہے۔ (حٰم سجدہ: ۵۳)

ان تمام آیات کریمہ کا تقاضہ ہے کہ لوگ مظاہر کائنات میں غور و فکر کریں۔ اور علوم فطرت کی ترقی ہو۔ پھر تحقیقات و انکشافات کی روشنی میں اس کلام برتر کی حقانیت واضح ہو جو عالم انسانی کے لئے عبرت و بصیرت کا سامان بن سکے۔

واضح رہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنا بظاہر اگرچہ علوم جدیدہ یا علوم سائنس کے سمجھنے پر موقوف نہیں ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ان علوم میں کمال حاصل

بحر کے کتاب اللہ پہ گہری نظر اس حیثیت سے ڈالی جائے کہ وہ ہر دور کے لئے ہدایت نامہ ہے تو اس کا معجزہ ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے اور عجیب و غریب اسرار و معانی منظر عام پر آتے ہیں، جو کلام الٰہی کے علاوہ کسی دوسرے کلام کی خصوصیت ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہاں پر سائنسی نظریات وافکار کی تغیر پذیری خارج از بحث ہے۔ اس کے برعکس مدار استدلال وہی حقائق ہو سکتے ہیں جو صدہا سالوں کے تجربے ومشاہدے کے بعد پوری طرح ثابت ہو چکے ہوں۔ جن کو سائنس کی زبان میں "قوانین فطرت" (LAWS OF NATURE) اور قرآن کی زبان میں "سر"، (پوشیدہ چیز یا راز سربستہ) کہا گیا ہے۔ جس کا تذکرہ اوپر نقل کردہ سورۂ فرقان کی آیت کریمہ میں کیا گیا ہے اور اس لفظ کی تفسیر دیگر آیات میں "خَبْءَ" (نمل : ۲۵) اور "غَائِبَۃٍ" (نمل : ۷۵) کے الفاظ سے کی گئی ہے (یہ تینوں تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں)۔ بغرض کائنات اور نظام کائنات کے یہی وہ "اسرار سربستہ" ہیں جو غور و فکر کے بعد کتاب اللہ میں "وَلَا تَنقَضِي عَجَائِبُهُ" کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

وَمَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ۔	ہم نے اس کتاب میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ (انعام: ۳۸)
وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝	اور ہم نے ہر چیز خوب تفصیل سے بیان کی ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱۲)
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ	اور ہم نے نوع انسانی کے لئے اس قرآن میں ہر ایک مثال بیان

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿﴾ کردی ہے تاکہ وہ چونک سکے۔

(زمــر ۱ ۲۷)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ط

اورہم نے اس قرآن میں (مختلف مضامین) پھیر پھیر کر بیان کئے ہیں تاکہ وہ چونک سکیں۔

(بنی اسرائیل: ۴۱)

قرآن حکیم میں اس قسم کے حقائق (کائنات اور نظام کائنات سے متعلق) بیان کرنے کی بنیادی غرض وغایت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کے نزدیک۔ "التذکیر بآلاء اللہ" ہے [سلہ] یعنی اللہ تعالیٰ کی نوازشات (بالمظاہر کائنات) کے ذریعہ تذکیر و انتباہ۔ تاکہ مغرور اور خدا سے باغی انسان اپنی روش سے باز آجائے اور خدا پرستی کی راہ اختیار کرلے۔

اس لحاظ سے اگر نظام کائنات سے متعلق مختلف قرآنی آیات کا جائزہ لیا جائے تو ان میں علوم ومعارف کا ایک دریا موجزن نظر آئے گا اور ہر دور کے تقاضے کے مطابق نئے نئے حقائق منظر عام پر آتے رہیں گے جو خدا سے باغی اور متکبر انسانوں کو راہ راست پر لانے اور موجودہ عالمگیر مادیت ولادینیت کا مقابلہ کرنے کی راہ میں نہایت اہم کردار انجام دے سکیں گے۔

اس تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اس سلسلے سورۃ اعلیٰ کی بعض حیرت انگیز آیات کریمہ کی مستند کتب لغت وتفاسیر اور

سلہ ملاحظہ ہو "الفوز الکبیر" قرآن کے علوم خمسہ کا بیان۔

جدید سائنسی علوم کی روشنی میں تشریح وتفسیر کی جاتی ہے۔ جن کے ملاحظے سے ظاہر ہوگا کہ اس کتاب حکمت میں کیسے کیسے گوہر آبدار پوشیدہ ہیں اور ان سے دنیا محض اپنی غفلت اور کوتاہی کی بنا پر ناواقف ہے۔

حیاتیات قرآن کی نظر میں

سب سے پہلے حیاتیات (بیالوجی) کی تعریف اور قرآنی نقطۂ نظر سے اس کے مباحث کی وضاحت کی جاتی ہے۔ پھر چند حقائق ومعارف بیان کئے جاتے ہیں۔

حیاتیات (BIOLOGY) سائنس کی اس شاخ کو کہتے ہیں جس میں حیوانیات ونباتات کی جسمانی ساخت وپرداخت اور ان کے طبیعی وفطری احوال وکوائف سے بحث کی جاتی ہے۔

چنانچہ اس علم کے تحت اس کرۂ ارض پر پائے جانے والے تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ حیوانات ونباتات[سلہ] کا مطالعہ مختلف حیثیتوں سے کیا جاتا ہے۔ پھر انہیں چند باہمی مشترکہ خصوصیات کے لحاظ سے (مطالعہ میں سہولت کی خاطر) متعدد درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ حیاتیات (بیالوجی) ایک وسیع علم ہے جس کی کئی شاخیں ہیں اور ہر شاخ پر بے شمار کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ (حیاتیات کے مباحث کی تفصیل آگے آرہی ہے) اس اجمالی علم کو پیش نظر رکھتے

سلہ اس تعداد میں تقریباً دو تہائی حیوانات اور ایک تہائی نباتات شامل ہیں۔
ملاحظہ ہو کتاب:-- ASIMOV'S GUIDE TO SCIENCE, VOL. 2, P.30, PELICAN BOOKS, LONDON. 1978,

ہوئے قرآن کریم کی حسب ذیل آیات کریمہ کا مطالعہ فرمائیے جن میں حیرت انگیز طور پر حیاتیات اور دیگر تمام سائنسی علوم کی نشاندہی موجود ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝	پاکی بیان کر اپنے رب برتر کی جس
الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي	نے پیدا کیا پھر درست کیا۔ اور جس
قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝ وَالَّذِي أَخْرَجَ	نے مقرر کیا پھر رہنمائی کی۔ اور جس
الْمَرْعَىٰ ۝ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ۝	نے سبزہ زار اگایا پھر اس کو خشک
	وسیاہ کوڑا کر دیا۔ (اعلیٰ: ۱-۵)

یہ ان آیات کا لفظی ترجمہ ہے۔ اب رہا ان کا اصل مفہوم جو غور و فکر اور مختلف تفسیروں کے مطالعے کے بعد واضح ہوتا ہے تو وہ اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے:

"پاکی بیان کر اپنے رب برتر کی اور اس کے گن گا جس نے (اس کائنات کو پیدا کیا پھر ہر چیز کا جسمانی نظام) درست کیا۔ وہ ذات برتر جس نے (تمام مظاہر فطرت میں سے ہر ایک کے لئے ایک مخصوص فطری و طبیعی ضابطہ) مقرر کیا پھر (ہر ایک کو اس ضابطے کے عین مطابق چلنے کی) توفیق عطا کی۔ الخ"

ان مختصر آیات کریمہ میں در اصل اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے دلائل مذکور ہیں اور یہاں پر پوری کائنات اور تمام مظاہر قدرت سے استدلال کیا گیا ہے۔ یہ نپے تلے الفاظ کیا ہیں مختلف علوم کے ابواب اور عناوین دکھائی دیتے ہیں، جو قرآن حکیم کی بلاغت اور اس کی اعجازی اختصار پسندی کا بھی ایک اچھا اور حیرت انگیز نمونہ ہیں۔ الفاظ و آیات کی تشریح حسب ذیل ہے۔

آیات نمبر ۲ اور نمبر ۳ میں انتہائی درجہ اختصار سے کام لیتے ہوئے خَلَقَ ، سَوّٰی، قَدَّرَ اور ھَدٰی کے چاروں مفعول حذف کر دیئے گئے ہیں اور صرف افعال کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہاں پر دراصل کسی مخصوص نوع یا مخصوص خلقت کی طرف اشارہ مقصود نہیں بلکہ درحقیقت تمام مخلوقات الٰہی مراد ہیں، خواہ ان کا تعلق انسان سے ہو یا حیوانات سے، نباتات سے ہو یا جمادات سے، ارضیات سے ہو یا افلاک سے، مادہ (MATTER) سے ہو یا توانائی (ENERGY) سے۔ بالفاظ دیگر ان الفاظ کے ابہام میں دنیا کی ہر وہ چیز اور ہر وہ نوع شامل ہو سکتی ہے جس پر خلق (تخلیق) سَوّٰی (تسویہ) قَدَّرَ (تقدیر) اور ھَدٰی (ہدایت) کا مفہوم صادق آسکتا ہو۔ نحوی اور ادبی اعتبار سے یہ بالکل صاف اور واضح مطلب ہے۔ نہ اس میں کوئی پیچیدگی ہے اور نہ کسی قسم کی تاویل۔

اس مفہوم کی تائید و توثیق مستند تفسیروں سے بھی بخوبی ہوتی ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی تحریر فرماتے ہیں:

"ومفعول خلق محذوف ولذا قیل بالعموم أی الذی خلق کُلَّ شیئٍ"[۹] یہاں پر خَلَقَ کا مفعول محذوف ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو عموم پر محمول کیا گیا ہے۔ یعنی "وہ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا"۔

۹۔ تفسیر روح المعانی ۳۰/۱۰۴، مطبوعہ بیروت۔

علامہ جاراللہ زمخشری تحریر فرماتے ہیں :

أی خلق کل شیئ : یعنی وہ جس نے ہر چیز پیدا کی ۔[۵]

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :

أی خلق الخلیقۃ وسوّی کل مخلوق فی أحسن الهیئات[۶]؛

یعنی وہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور ہر مخلوق کو بہترین طور پر ٹھیک ٹھاک کیا۔

صاحب تفسیر کبیر تحریر فرماتے ہیں۔

قولہ خلق فسوّی یحتمل ان یرید بہ الناس خاصۃ، ویحتمل ان یرید بہ الحیوان ویحتمل ان یرید کل شیئ خلقہ[۷]؛

یہاں پر ارشاد باری "خلق فسوّی" میں اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد خاص کر نوع انسانی ہو، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد (تمام) حیوانات ہوں، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہو جس کو اس نے پیدا کیا ہے ۔

مولانا اشرف علی تھانوی رقمطراز ہیں۔

"جس نے ہر شے کو بنایا پھر (اس کو) ٹھیک بنایا (یعنی ہر شے کو

---

[۵] تفسیر کشاف ۴/ ۲۴۲ ، مطبوعہ تہران۔

[۶] تفسیر ابن کثیر ۴/ ۵۰۰ ، عیسیٰ البابی مصر۔

[۷] تفسیر کبیر ۸/ ۲۷۹ ، مطبع عامرہ مصر، ۱۳۲۴ ھ

مناسب طور پر بنایا ہے[۵]

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ان چاروں الفاظ (تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت) میں بہت وسیع مفہوم مراد لیا گیا ہے۔ اور ان کا اطلاق دنیا کی ہر چیز اور ہر مخلوق پر ہو سکتا ہے۔ درحقیقت ان الفاظ کے ذریعہ مخلوقات الٰہی کی چند خصوصیات عمومی اعتبار سے تمام مخلوقات و موجودات میں مشترک ہونے کے باوجود اپنی خصوصیات کے لحاظ سے مختلف بھی ہیں، جن کے مطالعے سے ایک رب برتر کی خلاقیت اور اس کی کاریگری اور اعلیٰ درجے کی مہارت فن کا اظہار و انکشاف ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مخلوقاتِ الٰہی اور موجودات عالم کا مطالعہ بہت ہی اہم اور بصیرت افروز ہے اور اس جائزے سے اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق اور اس کی ربوبیت کے عجیب و غریب مناظر اور اس کی خلوق پروری کے حیران کن دلائل و براہین سامنے آتے ہیں، جیسا کہ سائنسی علوم اور خصوصاً حیاتیات (بیالوجی) کے تفصیلی مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان چاروں الفاظ کی مختصر تشریح و تفسیر عصری تقاضوں کے مطابق کی جاتی ہے۔

نظامِ تخلیق

الَّذِیْ خَلَقَ : وہ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔

خلق کے معنی ہیں عدم سے وجود میں لانا۔ عربی لغت کی سب سے بڑی

---

[۵] تفسیر بیان القرآن ۱۲/۹۲، تاج پبلشرز دہلی مطابق تھانہ بھون عکسی۔

کتاب " لسان العرب " میں اس لفظ کی جو تشریح و تفصیل مندرج ہے یہاں پر اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

" کلام عرب میں خلق کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر مثال سابق وجود میں لانا اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ (خاص کر لاکھوں انواع حیات میں سے کسی بھی نوع کو) پیدا کیا ہے وہ بغیر کسی مثال سابق کے ہے۔ اسی معنی میں ارشاد باری ہے :

" اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ " (وہاں اسی کے لئے سزاوار ہے پیدا کرنا اور حکم چلانا)

ابوبکر ابن الانباری کا کہنا ہے کہ خلق کی کلام عرب میں دو صورتیں ہیں :

(۱) کسی چیز کو انوکھے طرز پر وجود میں لانے کے بعد پھر اسی سابقہ طرز پر پیدا کرتے رہنا۔

(۲) اندازہ کرنا اور کہا کہ ارشاد باری " فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ " کا مطلب ہے بہترین اندازہ کرنے والا۔

ازہری کا کہنا ہے کہ خالق اور خلّاق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں۔ الف لام کے ساتھ غیر اللہ کے لئے یہ صفت جائز نہیں ہے۔ یہ وہ ذات برتر ہے جو تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لائی " [۹]

امام راغب لکھتے ہیں :-

" خلق کی اصل صحیح اندازہ (یا صحیح منصوبے) کے ہیں۔ اور اس کا استعمال بغیر کسی سابقہ نمونے کے ایجاد شے کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے :-

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ : اس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا۔

---

[۹] لسان العرب از ابن منظور، ۱۰/۸۵، طبع جدید، بیروت، ۱۹۶۸ء

یعنی بغیر کسی نمونہ سابق کے۔ جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر اس کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: زمین اور آسمانوں کو انوکھے طرز پر بنانے والا۔

نیز یہ لفظ (خلق) ایک چیز سے دوسری چیز کو نکالنے (ایک مادہ سے دوسرا مادہ نکالنے) کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ: اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ: اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ: اس نے انسان کو (مٹی کے) خلاصے سے پیدا کیا۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ: اور جن کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا۔

خلق بمعنی ابداع (یعنی کسی چیز کو بغیر کسی مثال سابق کے وجود میں لانا) اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ اور اسی وجہ سے خلاق عالم اور دوسروں کے درمیان فرق کرنے لئے فرمایا گیا۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ: [۱] یعنی (وہ خدائے برتر) جو تمام مخلوقات کو پیدا کرتا ہے کیا وہ (ان جیسے بے بسوں) کی طرح ہو سکتا ہے جو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے۔ کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔ (نحل ۱۷)

---

[۱] مفردات القرآن، ص ۱۵۷، طبع بیروت۔

حاصل یہ کہ لفظ خلق کا اطلاق تین معنی پر ہوتا ہے۔

۱۔ بغیر کسی مثال سابق کسی چیز کو وجود میں لانا۔

۲۔ کسی چیز کو وجود میں لا چکنے کے بعد پھر اسی مادے سے دوسری چیزیں (سابقہ نمونے کے مطابق) پیدا کرتے رہنا۔

۳۔ اندازہ کرنا۔

جیسا کہ گذر چکا امام راغب کے قول کے مطابق معنائے اول اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ یعنی اس باب میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ معنائے ثانی میں بھی کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں بن سکتا۔ چنانچہ آج انسان روئے زمین پر تقریباً آٹھ لاکھ حیوانات اور چار لاکھ نباتات کے وجود کا پتہ لگا چکا ہے۔ اور ان کی نوعی خصوصیات اور ان کے طبعی احوال وکوائف کا حال قلمبند کر چکا ہے۔ مگر کسی ایک نوع کے متعلق بھی۔ باوجود سائنس اور ٹکنالوجی کے ہمہ جہتی ترقیوں کے ــ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اس نوع کا خالق بن سکتا ہے یا اس کو مثال اوّل کے مطابق دوبارہ وجود میں لا سکتا ہے یا خدائی تخلیق وآفرینش میں کسی قسم کی ترمیم یا اضافہ کر سکتا ہے۔ خلاق عالم یکے بعد دیگرے لاکھوں انواع حیات کو بغیر کسی مثال سابق وجود میں لا چکا ہے۔ اور پھر ہر نوع کے لاکھوں کروڑوں افراد کو ان کی تمام نوعی خصوصیات کے ساتھ لباس وجود میں برابر جلوہ گر کرتا جا رہا ہے۔ مگر خدا کے علاوہ کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہے جو اس قدر بے مثال اور حیرت انگیز کرشمے دکھا سکے۔ چنانچہ چودہ سو سال پہلے جو دعویٰ کیا گیا تھا وہ آج بھی ایک زندہ و

تابندہ صداقت ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَہٗ ؕ	جن لوگوں کو تم اللہ کے مقابلے میں پکارتے ہو وہ ایک مکھی تک بھی نہیں پیدا کر سکتے، اگرچہ وہ سب کے سب اس کام کے لئے جمع ہو جائیں۔ (حج : ۷۳)

چنانچہ یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ پوری دنیا کے سائنس مل کر ایک مکھی یا مچھر کو پیدا کرنا تو بہت دور کی بات ہے، ایک ادنیٰ درجہ کا پروٹوپلازم تک تیار نہیں کر سکتی۔

اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۶﴾	یقیناً تیرا رب ہی اکیلا خلاق اور ہمہ داں ہے۔ (حجر: ۸۶)

لفظ خلاق مبالغے کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ ہیں: الخالق خلقاً بعد خلق" [1]

یعنی خلاق وہ ہے جو ایک کے بعد دوسری مخلوق پیدا کرنے والا ہو۔ چنانچہ ایک نہیں لاکھوں قسم کی مخلوقات ہیں جن کو اس نے بطور نمونہ و مثال پیدا کیا ہے۔ دنیائے نباتات و حیوانات میں ایک بالکل ننھے اور حقیر سے یک خلوی (UNICELLULAR) اور خوردبینی جاندار پروٹوزوا (PROTO-ZOA) سے لے کر ایک بڑے سے بڑے دیو پیکر جانور تک بارہ لاکھ قسمیں

---

[1] کتاب الاسماء والصفات، منقول از امام حلیمی، ملاحظہ ہو "لغات القرآن" جزء ۲ ص ۲۱۶، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔

پائی جاتی ہیں اور یہ مختلف قسمیں گویا کہ نمونے ہیں "خلاق علیم" کی پیدا کردہ مخلوقات کے۔ اب اگر کسی کو تخلیق کا دعویٰ ہو یا دنیائے سائنس کے متعلق کسی کو یہ وہم ہو کہ وہ بھی خلق و آفرینش کے میدان میں کچھ کر سکتی ہے تو ان لاکھوں انواع حیات میں سے کوئی ایک حقیر سا حقیر نمونہ منتخب کر کے اس کے مثل وہم مانند تخلیق کر دکھائے۔

اس موقع پر "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" وغیرہ کی مثال خارج از بحث ہے کیونکہ یہ فعل۔ جو بظاہر ایک عجوبہ دکھائی دیتا ہے۔ تمام تر فطرت اور نظام فطرت کا پابند نظر آتا ہے۔ انسان نے جو کچھ اس سلسلے میں کیا ہے وہ محض اس قدر ہے کہ رحم مادر کے اندر جنین (EMBROYO) کے بننے اور اس کے نشوونما پانے کے عمل کا مطالعہ کر کے ویسے ہی طبعی حالات مصنوعی طور پر ٹیسٹ ٹیوب کے اندر پیدا کر دیئے جن کی وجہ سے رحم مادر کے باہر بھی یہ عمل انجام پا سکے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں وہی نتیجہ برآمد ہوا۔ مگر اس سے انسان کی خالقیت یا اس کی کسی قسم کی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اس نظام کی اندرونی مشینری اور باطنی اسباب وعلل سے پہلے ہی کی طرح اب بھی بے خبر اور جاہل محض ہے۔ اس کو تو اتنا بھی نہیں معلوم کہ مادۂ منویہ اور اس کے جرثومے (SPERMOTOZOA) کا حقیقی عمل کیا ہے؟ سانپ کی شکل کا جرثومہ آخر انسان کی شکل کس طرح اختیار کر لیتا ہے؟ خلیے (CELLS) کس طرح بنتے ہیں اور ہندسی اشکال میں کس طرح خود بخود منظم طور پر نشوونما پانے لگتے ہیں؟ روح اور اس کے مظاہر عقل، شعور، ادراک، احساس اور حافظہ وغیرہ کس طرح رونما ہوتے ہیں اور کس طرح کام کرتے ہیں؟

اس قسم کے بے شمار سوالات ہیں جن کا انسان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔
لہذا ایک جاہل اور ناواقف ہستی کسی چیز کی خالق نہیں ہو سکتی۔ خالق تو وہی
ہو سکتا ہے جو اپنی تیار کردہ مشینری کی ہر ہر چیز اور ہر ہر پرزے سے بخوبی واقف ہو۔
اور پھر دوسری حیثیت سے یہ بات اس وقت صحیح ہوتی جب کہ عورت اور مرد کے
مادہ منویہ کے بغیر یا بے جان اجزاء سے زندگی وجود میں لائی جاتی! مصنوعی
طور پر بچہ پیدا کرنے کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک کسان زمین میں ہل
چلاتا ہے، پھر دانہ ڈال کر سینچائی کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ربوبیت اپنا عمل
کرتی ہے۔ اب جس طرح کسان کو کھیتی یا پودوں کا خالق نہیں کہا جا سکتا اسی
طرح مصنوعی طور پر بچہ پیدا کرنے والے کو بھی خالق نہیں کہا جا سکتا۔

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوْا
كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ
قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

کیا انہوں نے اللہ (کی خدائی میں)
ایسے بھی شریک ٹھہرا رکھے ہیں
جنہوں نے اللہ کی تخلیق کی طرح
کوئی تخلیق کر دی ہو، جس کی بنا پر
ان کو (ان دونوں قسم کی) تخلیقات
میں التباس ہو گیا ہو؟ کہہ دو کہ
اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ
(اس باب میں) اکیلا اور پر جلال
ہے (جیسا کہ اس کی پیدا کردہ مخلوقات
اپنی لسان حال سے خود اس کی

عظمت کی گواہی پیش کر رہی ہیں)

(رعد: ۱۶)۔

قرآن حکیم میں تردید شرک کے موقع پر صفت "تخلیق" کا خصوصی تذکرہ ملتا ہے جو بہت ہی معنی خیز ہے۔ اور اس کی اہمیت دورِ قدیم سے زیادہ دورِ جدید میں نظر آتی ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ○

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر چند (ایسے بے بسوں) کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ درحقیقت وہ خود پیدا کئے گئے ہیں (لہٰذا جو خود مخلوق ہے وہ خالق کیسے بن سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ) ان کو نہ تو (اپنے ذاتی) نفع یا نقصان کا اختیار ہے، نہ موت کا، نہ زندگی کا اور نہ دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے کا۔

(فرقان: ۳)

شرک کی تردید میں اس قسم کی بہت سی آیتیں موجود ہیں، جن کے ملاحظے سے قدیم گمراہیوں کے علاوہ ہر قسم کی جدید فکری بے راہ رویوں کی جڑیں بھی پوری طرح کٹ جاتی ہیں۔ یہ زندہ کتاب کی چند زندہ آیات ہیں جن کا

اعجازی مفہوم ہر دور میں برابر صادق آتا رہتا ہے۔ غرض تخلیق و آفرینش کے باب میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سہیم نہ دورِ قدیم میں کبھی رہا ہے اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی ہو سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر خالق و مخلوق کبھی ایک درجہ پر نہیں آسکتے۔ خالق ہمیشہ خالق ہی رہے گا اور مخلوق ہمیشہ مخلوق ہی رہے گی۔ کسی مخلوق کی یہ مجال نہیں ہوگی کہ وہ۔ لاکھ ترقیوں کے باوجود۔ خالق بن جائے یا خالق کے درجے تک پہنچ جائے۔ اس پوری کائنات کا صرف ایک ہی خالق ہے اور ہمیشہ ایک ہی خالق رہے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا :

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۙ ‏ گن گاؤ اپنے رب برتر کے جس نے

الَّذِي خَلَقَ : (اس جہان آب و خاک کی ہر چیز کو)

عدم سے وجود بخشا۔

انواعِ حیات کی مسلسل تخلیق و آفرینش اور ہزاروں سالوں سے نوعی افراد کا تسلسل کے ساتھ اپنی تمام نوعی خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہوتے رہنا ایک حیرت انگیز نظام ہے، جس کا مظاہرہ بغیر ایک برتر اور خلّاق ہستی کے ناممکن بلکہ محال در محال ہے۔

اس کے بعد اگلے الفاظ اور فقروں میں اپنی اس تخلیق و خلّاقیت کے چند خصائص و امتیازات بیان کئے گئے ہیں، جو شرک و مظاہر پرستی اور الحاد و مادیت کے خلاف دلائل و براہین کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن سے ہر قسم کی فکری گمراہیوں کا سدباب ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کی دو حیثیتیں ہیں :

ایک حیثیت سے وہ مختار نظر آتا ہے تو دوسری حیثیت سے مجبور و درماندہ دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف وہ چاند ستاروں کو تسخیر کر کے افلاک کو اپنی گذرگاہ بناتا ہے تو دوسری طرف ایک مکھی یا مچھر جیسی ادنٰی سی چیز کی تخلیق بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ درحقیقت زندگی کی اکائی یعنی تخم مایہ یا پروٹو پلازم (-PRO TOPLASM-) کی حقیقت و ماہیت تک سمجھنے سے عاجز و بے بس نظر آتا ہے۔ **گویا کہ "تخلیق" کی ابجد سے بھی ناواقف اور اس کوچے میں بالکل ہی کورا** دکھائی دیتا ہے۔

نظامِ تسویہ

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ؕ ۝ — جس نے (اس کائنات کی) ہر چیز پیدا کی پھر (ہر ایک کا جسمانی اعتبار سے) تسویہ کیا۔

تسویہ کے معنی ہیں: کسی چیز کو درست و استوار کرنا، ٹھیک ٹھاک کرنا، ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنا وغیرہ۔

سَوَّاہُ تَسْوِیَۃً و اَسْوَاہُ: جعلہ سَوِیًّا[۱]

تسویہ کا مادہ "س و ی" ہے جو ہر قسم کی جسمانی درستی، اعتدال اور کسی چیز کے افراط و تفریط سے عاری اور بالکل درمیان میں واقع ہونے کے

---

[۱] القاموس المحیط، از مجدالدین فیروز آبادی ۴/۳۴۵، مطبوعہ مصر، ۱۹۱۳ء

لئے بولا جاتا ہے۔ مثلاً: مَکَانٌ سَوِیٌّ: ہموار جگہ۔[۱۳]

مَکَان سَوَاء آی متوسط بین المکانین[۱۴]؛ یعنی "مکان سواء" اس جگہ کو کہتے ہیں جو دو جگہوں کے درمیان متوسط ہو۔

مکان سِوًی وسُوًی وسَواء: آی عدل ووسط فیھا بین الفریقین[۱۵]۔ یعنی وہ جگہ جو فریقین کے بالکل درمیان اور درست ہو۔

إستوی الشیئ اعتدل[۱۶]: استوی کے معنی ہیں معتدل ہونا۔

ورجل سوی إستوت اخلاقہ وخلقتہ عن الإفراط والتفریط[۱۷] اور "رجل سوی" اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس کے اخلاق اور خلقت افراط وتفریط سے پاک اور معتدل ہوں۔

اسی طرح "غلام سوی" ایسے بچے کے لئے بولا جاتا ہے جس کی جسمانی حالت صحیح اور بھرپور ہو اور اس میں کسی قسم کا عیب یا بیماری نہ ہو۔[۱۸]

وسواء الجبل ذروتہ (پہاڑ کی چوٹی) وسواء النہار منتصفہ (دوپہر)

---

۱۳ ایضاً، ۴/ ۲۲۵۔

۱۴ لسان العرب، ۱۴/ ۴۱۲۔

۱۵ لسان العرب، ۱۴/ ۴۱۴۔

۱۶ ایضاً، ۱۴/ ۴۱۴۔

۱۷ مفردات القرآن، ص ۲۵۲۔

۱۸ المنجد، بیروت، ۱۹۵۶ء

ولیلۃ السواء لیلۃ اربع عشرۃ ۱۹؎ (چودھویں رات)

لفظ "تسویہ" میں یہ تمام معانی ملحوظ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قاعدہ کے مطابق "ثلاثی مزید" کا تعدیہ "ثلاثی مجرد" ہی سے منتقل ہو کر آتا ہے۔ پھر باب "تفعیل" کی ایک خصوصیت تعدیہ کے علاوہ تکثیر و مبالغہ بھی ہے۔ یعنی مصدری معنی کی زیادتی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ جیسے جال سے جوّل اور طاف سے طوّف میں، جو بہت زیادہ گھومنے اور بہت زیادہ طواف کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔

غرض "تسویہ" کے معنی ہوئے ہر قسم کی جسمانی درستی جس میں حد درجہ اعتدال ملحوظ رکھا گیا ہو اور اس میں کسی قسم کا نقص یا عیب نہ ہو۔ مثلاً یہ نہیں کہ ایک ہاتھ اٹھارہ انچ کا ہے تو دوسرا پچیس انچ کا، یا ایک آنکھ گولی برابر ہے تو دوسری گولے برابر، یا ایک ہڈی چھوٹی ہے تو دوسری بڑی، انسان کے جو جوڑ جوڑ اعضاء ہیں وہ ہر طرح یکساں اور حیرت انگیز طور پر معتدل اور متناسب ہوتے ہیں۔ پھر اس اعتدال اور تناسب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تمام اعضائے جسمانی اور نظامہائے جسمانی میں مجموعی حیثیت سے توافق و ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے بھی ایک خلاق اور نہایت درجہ نگراں و نگہبان ہستی کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اور تمام طبی و سائنسی علوم اس لفظ کی مکمل تشریح کے لئے ناکافی ہیں۔

اس وقت دنیائے حیوانات میں تقریباً آٹھ لاکھ قسم کے انواع پائے جاتے ہیں۔ اور ایک چھوٹے سے یک خلوی جاندار پروٹوزوا (PROTOZOA) اور پروٹوفائٹا (PROTOFITA) سے لے کر ایک بڑے سے بڑے ہاتھی اور

۱۹؎ لسان العرب، ۱۴/ ۴۱۶۔

وہیل تک تمام جانداروں کی ساخت اور ان کی بناوٹ اور ان میں سے ہر ایک کا پیچیدہ جسمانی نظام ایک حیرت انگیز نظم وضبط اور اعلیٰ درجہ کی صناعی اور مہارت فن کا حامل ہے۔ اور یہ سارے انواع حیات اپنے مختلف جسمانی نظاموں کی بدولت حیوانی دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں، جن کے تفصیلی مطالعے سے نہ صرف نظام تسویہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے بلکہ نقاش فطرت کی ربوبیت و رحمانیت کے بھی حیران کن مناظر سامنے آتے ہیں۔

(الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی)	اپنی مخلوق کو درست کیا یعنی اس
مخلوقہ، جعلہ متناسب	کے جسمانی اجزاء کو تفاوت اور اونچ
الاجزاء غیر متفاوت[۲۰]	نیچ سے پاک اور متناسب بنایا۔
اَیْ جعلہ متساویاً وھو	یعنی بالکل ٹھیک ٹھاک کیا۔ یہ اصل
اصل معناہ، والمراد فجعل خلقہ	معنی ہوئے اور اس سے مراد یہ ہے
کما تقتضیہ حکمتہ سبحانہ	کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق اپنی
فی ذاتہ وصفاتہ وفی معناہ	حکمت کے عین مطابق بنایا جیسا
ماقیل اَیْ فجعل الاشیاء سواء	کہ اس کی ذات وصفات اس
فی باب الاحکام والاتقان ولانہ	کی مقتضی تھی۔ اور اسی معنی میں
سبحانہ اتقن بعضا دون بعض[۲۱]	کہا گیا ہے کہ اس نے (تمام) اشیاء

---

[۲۰] تفسیر جلالین، ۲/۱۵۹، مطبوعہ مصر، ۱۳۴۶ھ

[۲۱] تفسیر روح المعانی، ۳۰/۱۰۴، مطبوعہ بیروت۔

(کل مظاہر کائنات) کو محکم و
مضبوط طور پر بنایا ہے، ایسا
نہیں کہ بعض میں تو اتقان ملحوظ
رکھا گیا ہو اور بعض میں نہ رکھا
گیا ہو۔

اس سلسلے میں شیخ طنطاوی جوہری نے بعض سائنسی حقائق کی روشنی میں نسبتاً زیادہ بہتر تفسیر کی ہے اور اس بارے میں متعدد پہلوؤں کو بڑی خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے:

"(وہ جس نے پیدا کیا اور ٹھیک ٹھاک کیا) یعنی ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی خلقت کا پوری طرح تسویہ کیا اور اپنی مخلوقات کو متفاوت اور اونچ نیچ کے ساتھ نہیں بنایا بلکہ ان کی آفرینش میں ایک ہمہ دان اور دانشمند کی طرح حد درجہ نظم و استحکام رکھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر ان مظاہر میں ہم حسب ذیل حکمتیں بھی نہ دیکھتے:

۱۔ اس نے چہرے کی خوبصورتی ان چار اعضاء میں رکھ دی ہے، ناک اور دو آنکھیں۔ اگر یہ اعضاء باہم متناسب ہوں تو خوبصورتی پیدا ہوتی ہے ورنہ بدصورتی نمایاں ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس نے باطنی جمال بھی چار چیزوں میں رکھا ہے، جو یہ ہیں: حکمت، عفت، شجاعت، اور عدل۔ اگر یہ چاروں خصلتیں مکمل ہوں گی تو وہ اخلاقی اعتبار سے بھی کامل ہوگا۔ ورنہ بداخلاق بنے گا۔

۳- اس نے کس طرح انگلیوں کی ہڈیوں کو پتلی بنائیں! اس طرح کہ ہر انگلی میں تین تین پورے ہوتے ہیں جو بڑی باریک بینی کے ساتھ جوڑے گئے ہیں۔ انہی کی وجہ سے صناعتی، زراعتی اور جنگی آلات کو بھی پکڑنا ممکن ہوتا ہے۔

۴- ناخنوں کو انگلیوں کے کناروں کی حفاظت کے لئے نیز گری پڑی باریک چیزوں کو اٹھانے کی خاطر بنایا۔

۵- رُوئی کو انسان کی پوشاک کے لیے نفع بخش بنایا۔ اور بعض پرندے ایسے بنائے جو کھیتوں اور پیڑ پودوں سے ان کیڑوں کو چن چن کر کھا لیتے ہیں جو انسان کے لئے غذا فراہم کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

۶- اسی طرح نباتات کے داخلی اجزاء میں اختلاف عناصر کے ذریعے انسان کے لئے بہت سے فوائد ودیعت کر دیئے۔ مثلاً کلورین (CHLORINE) روئی کے ریشے میں ۲۷ ر ۶ فی صد، جو میں ۲۰ ر فی صد، سیم میں، ۴۴ ر ۱ فی صد، آلو میں ۲ ر ۲ فی صد، گنے میں ۱۰ ر ۸ فی صد اور برسیم (ایک قسم کی گھاس) میں ۹ ر ۱۲ فی صد ہوتا ہے۔ پس اس اعتبار سے صانع عالم کی حکمت ملاحظہ ہو کہ اگر اس عنصر کا تناسب اس حکیمانہ مقدار کے مطابق نہ ہوتا تو ان اشیاء میں یہ فوائد بھی ظاہر نہ ہوتے۔ جس طرح ہاتھوں کی ہڈیاں ایک متناسب اندازہ اور نظام کے ماتحت نہ ہوتیں تو ان کے مطلوبہ فوائد ظاہر نہ ہوتے۔ اس طرح نباتات کے اجزاء کا اگر "تسویہ" نہ کیا جاتا اور انہیں ایک منصوبے کے تحت جلوہ گر نہ کیا جاتا تو نباتات کا نظام بھی بگڑ جاتا۔[۲۲]

---

۲۲ خلاصہ از تفسیر الجواہر، ۲۵/ ۱۱۲ - ۱۱۳، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۱ھ

شیخ طنطاوی نے اس موقعہ پر بہت اجمال کے ساتھ اور محض انسان اور نباتات کی صرف چند خصوصیات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ ورنہ اگر چاہا جائے تو پورے علم الحیات (BIOLOGY) اور تمام سائنسی علوم اور ان کے حیرت انگیز مباحث کو ان آیات کریمہ کی تشریح و تفسیر میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ وضاحت کی جا چکی تخلیق اور تسویہ کا اطلاق جس طرح حیوانات و نباتات پر ہوتا ہے اسی طرح موجودہ اصطلاحات کی رو سے تمام مادی و غیر مادی اشیاء مثلاً حرارت (HEAT) روشنی (LIGHT) آواز (SOUND) برق (ELE-CTRICITY) اور مقناطیسیت (MAGNATISM) پر بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ان الفاظ کے عموم میں ایٹمی ذرات اور ایٹمی قوت (ATOMIC ENERGY) وغیرہ سب کچھ آجاتے ہیں۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝	بلاشبہ ہم نے ہر چیز ایک متعین انداز سے پیدا کی ہے۔ (قمر : ۴۹)
وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝	اور اس کے ہاں ہر چیز ایک متعین مقدار کے ساتھ ہے۔ (رعد : ۸)

چونکہ میرا موضوع بحث اس وقت صرف بیالوجی ہے اس لئے میں خصوصیت کے ساتھ صرف بیالوجی اور اس کے متعلقات ہی سے تعرض کروں گا اور جیسا کہ مختلف تفسیری اقتباسات سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے ذخیرۂ تفاسیر میں بھی اس سلسلے میں بہت سے حقائق اور اصولی اعتبار سے بہت کارآمد نکات ملتے ہیں، جن کو ہم بنیاد بنا کر جدید علوم کی روشنی میں مزید شرح و تفصیل پیش کر سکتے ہیں۔

اس طرح ہم پر اپنے سلف صالحین سے ہٹنے اور کجروی پیدا کرنے کا الزام بھی عائد نہ ہوگا۔[۱۲۲] چنانچہ صاحب تفسیر کبیر[۱۲۳] نے اس موقع پر تین اقوال نقل کئے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے :

۱۔ اس سے مراد انسان ہیں اور انسان کے تسویہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قامت کو درست و معتدل اور اس کی شکل و صورت کو بہتر بنایا جیسا کہ دوسرے موقع پر ارشاد ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ؛	یقیناً ہم نے انسان کو بہترین خلقت میں پیدا کیا ہے۔

۱۲۲ۓ اگر ہمارے تفسیری ذخیرے کی اچھی طرح چھان بین کی جائے تو ہمیں مفسرین کرام کے اقوال ہی میں سے اپنے مطلب کی باتیں اور کارآمد نکات مل جاتے ہیں اور مفسرین سے اختلاف کرنے کی بہت کم ضرورت پیش آتی ہے۔

پچھلے دور میں چونکہ سائنسی علوم کی تحقیق و تدوین اس طرح نہیں ہوئی تھی جس طرح کہ عصر حاضر کا خاصہ ہے، اس لئے ہمارے مفسرین نے اس سلسلے میں تفصیلی بحث نہیں کی ، ورنہ کم از کم امام رازیؒ تو ضرور ان تمام علوم و مباحث کو بھی اپنی تفسیر میں شامل کر دیتے۔

۱۲۳ۓ یعنی تفسیر کے تکملہ نگار جن کا نام نامی پردۂ راز میں ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق سورۂ فتح تک کی تفسیر امام رازیؒ کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد چونکہ یہ عظیم الشان تفسیر نامکمل تھی لہٰذا کسی نامعلوم عالم نے بالکل دالے صفحوں

۲۔ اس سے مراد تمام حیوانات ہیں۔ ان میں سے ہر نوع کو اللہ تعالے نے اس کی ضرورت کے مطابق مناسب اعضاء اور آلات اور حواس عطا کئے۔

۳۔ اس سے مراد تمام مخلوقات ہیں۔ اس صورت میں "تسویہ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کل ممکنات پر قادر ہے اور تمام معلومات کا عالم ہے اس نے جو چاہا (ہر چیز کو) بغیر کسی انتشار و اضطراب کے نہایت درجہ محکم طریقے پر پیدا فرمایا۔[۲۵]

قول ثانی کا دائرہ بحث موجودہ سائنسی علوم کے مطابق صرف علم حیوانات (ZOOLOGY) میں منحصر ہے[۲۶] جب کہ قولِ اول کا دائرہ بحث علم حیوانات کی صرف ایک شاخ قرار پاتی ہے۔ اور قول ثالث کے مطابق اس کا دائرہ کار تمام سائنسی علوم پر محیط نظر آتا ہے۔[۲۷]

علامہ شہاب الدین آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں جو مختلف اقوال (تفسیروں میں) موجود ہیں وہ بطور مثال ہیں نہ کہ بطور تخصیص۔[۲۸]

(پچھلے صفے کا بقیہ) امام رازی ہی کے رنگ میں ــ بقیہ سورتوں کی تفسیر لکھ دی مگر اپنے نام کو ظاہر نہیں کیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقالات شبلی ۱۲/۴۲ - ۴۴، طبع سوم، ۱۹۵۶ء۔

[۲۵] تفسیر کبیر: ۸/ ۲۷۹ ــ ۲۸۰۔

[۲۶] اصولی اعتبار سے علم حیوانات ایک شاخ ہے علم الحیات یا حیاتیات (BIOLOGY) کی۔ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں آرہی ہے۔

[۲۷] مثلاً طبیعات (فزکس) کیمیا (کیمسٹری)، حیاتیات (بیالوجی)، ارضیات (جیالوجی)، اور فلکیات (اسٹرانمی) وغیرہ۔ ان علوم کے تحت زمین سے آسمان تک اور ایک ایٹم سے لیکر ایک نظام شمسی تک ہر چیز اور تمام مظاہر فطرت اور ان کی فطری و طبعی خصوصیات زیر بحث آتی ہیں۔

بہر حال مفسرین نے جن چیزوں کو بالاجمال بیان کیا ہے ضرورت ہے کہ آج جدید علوم کی روشنی میں ان کی پوری پوری تفصیل بیان کر دی جائے تاکہ قرآنی دلائل وبراہین اچھی طرح واضح ہو جائیں اور قرآن حکیم کا علمی اعجاز کھل کر سامنے آجائے۔

اس موقع پر سائنسی نظریات کی تغیر پذیری خارج از بحث ہے۔ کیونکہ یہاں پر قرآنی اشارات کو محض عنوان بنا کر اس کی تفصیل میں جدید علوم ومعارف کو بطور تفصیل پیش کرنا مقصود ہے۔ ان علوم ومباحث یا زیادہ صحیح معنوں میں ان علوم کے افکار ونظریات کی تغیر پذیری کا قرآنی حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ پھر تبدیلی نظریات میں ہوتی ہے نہ کہ اصل علوم اور ان کے بنیادی مباحث میں[۵۹]

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ	الف، لام، را — یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں (علمی وآفاقی حیثیت سے) مضبوط ومستحکم کر لی گئی ہیں۔ پھر ایک حکمت والی اور باخبر ہستی کی جانب سے ان کی (پوری پوری) تفصیل بیان کی گئی ہے۔ (ھود : ۱)

---

[۵۸] روح المعانی، ۲۰/۴ ۱۰۔

[۵۹] اس موضوع پر تفصیلی بحث میں نے اپنی تازہ کتاب (غیر مطبوعہ) "وجود باری اور قیامت کے شواہد: دنیائے نباتات میں" کی ہے۔

حیاتیات اور اس کے مباحث

جیساکہ گذرچکا حیاتیات (BIOLOGY) سائنس کی اس شاخ کو کہتے ہیں جس میں زندہ اشیاء (حیوانات ونباتات) کی جسمانی ساخت و پرداخت اور ان کے طبعی وفطری احوال وکوائف سے بحث کی جاتی ہے۔

بیالوجی یونانی زبان کا مرکب لفظ ہے۔ BIOS کے معنی زندگی کے ہیں اور LOGOS علم یا سائنس کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بیالوجی کا مطلب ہوا "زندگی کا علم" THE SCIENCE OF LIFE [له]

حیاتیات کی دو بڑی شاخیں ہیں:۔

۱۔ علم نباتات ——— BOTANY

۲۔ علم حیوانات ——— ZOOLOGY

پھر ان میں سے ہر ایک علم کا متعدد حیثیتوں سے منظم مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک کی پھر مزید چند شاخیں بن جاتی ہیں، اور وسعت مباحث کے اعتبار سے یہ بھی مستقل علوم شمار ہونے لگے ہیں۔ مثلاً:

علم عضویات ——— MORPHOLOGY

نسیجیات ——— HISTOLOGY

[له] ملاحظہ ہو کتاب:

OUTLINES OF ZOOLOGY, BY M.E. AYYAR, MADRAS, 1976

علم تشریح ــــــــ ANOTOMY

فعلیات ــــــــ PHISIOLOGY

علم طبعی ماحول ــــــــ ECOLOGY

علم درجہ بندی ــــــــ TAXONOMY

علم توالد و تناسل ــــــــ GENETICS

معدوم شدہ جانوروں اور پودوں کا علم

PALAEONTOLOGY

نباتاتی معاشیات ــــــــ ECONOMIC BOTANY

حیاتیاتی کیمیا ــــــــ BIOCHEMISTRY

طبعی حیاتیات ــــــــ PHYSICAL BIOLOGY

تابکاری حیاتیات ــــــــ RADIO BIALOGY

خوردبینی حیاتیات ــــــــ MICRO BIOLOGY

علم خلیات ــــــــ CYTOLOGY

سالماتی حیاتیات ــــــــ MOLECULAR BIOLOGY

تمام جانداروں میں ــــ خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات ۔ چند مشترکہ خصوصیات پائی جاتی ہیں مثلاً :

۱۔ تمام حیوانات و نباتات جسمانی اعتبار سے لاتعداد ننھے ننھے خوردبینی خانوں کا مجموعہ ہوتے ہیں جن کو حیاتیات کی اصطلاح خلیے (CELLS) کہتے ہیں ۔ ان خانوں میں ایک متحرک اور لیسدار مادہ بھرا رہتا ہے ، جس کو اصطلاح میں

تخرمایہ یا پروٹوپلازم (PROTO PLASM) کہتے ہیں۔ زندگی کا وجود اور اس کا انحصار اسی مادے کے وجود اور اس کی حرکت پر موقوف ہے۔ چنانچہ جب تک یہ مادہ کسی جسم میں متحرک رہتا ہے زندگی بھی قائم رہتی ہے۔ لیکن جیسے ہی یہ ساکت ہوجاتا ہے جسم بھی ساکت اور بے جان ہوجاتا ہے۔ اس لحاظ سے روح اور تخرمایہ میں بہت گہرا تعلق نظر آتا ہے اور روح کی حقیقت کو علی وجہ البصیرت سمجھنے کے لئے علم خلیات (CYTOLOGY) کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

۲۔ تمام حیوانات و نباتات کی ابتدا ایک خلیہ (CELL) سے ہوتی ہے جو بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد کروڑوں اربوں تک جا پہنچتی ہے کسی بھی جاندار کے تمام اعضا انہی خلیوں پر مشتمل ہوتے ہیں، جو مختلف انواع حیات میں مختلف شکل و صورت کے ہوتے ہیں۔

۳۔ تمام حیوانات و نباتات میں سے ہر نوع کا ایک مخصوص طرز پیدائش نشوونما، افزائش نسل، اور بڑھاپا اور موت کے مخصوص اطوار ہوتے ہیں، جس کے مطابق وہ اپنی فطری و طبیعی زندگی گذارتا ہے۔

۴۔ جس طرح حیوانات سانس لیتے ہیں اسی طرح نباتات بھی سانس لیتے ہیں جس کو نظام تنفس یا RESPIRATION کہا جاتا ہے۔

۵۔ تمام حیوانات و نباتات کے اجسام کا نشوونما ایک مسلسل کیمیاوی عمل کے تحت خلیوں (CELLS) میں انجام پاتا ہے۔ اسی عمل کے ذریعہ ہر خلیہ مسلسل دو دو حصوں میں تقسیم ہوتا اور اپنی جگہ پر مکمل خلیہ بنتا چلا جاتا ہے۔ تمام حیاتیاتی اجسام کی بڑھوتری اسی طرح ہوتی رہتی ہے۔ اس عمل کو نظام تحول

یا METABOLISM کہا جاتا ہے۔

۶۔ حیوانات ہی کی طرح نباتات بھی حساس ہوتے ہیں اور رنج و راحت محسوس کرتے ہیں۔ مگر حیوانی دنیا میں نظام عصبی (NERVOUS SYSTEM) بہت ترقی یافتہ ہے، جب کہ نباتاتی دنیا میں یہ ادنیٰ درجے کا ہے۔ [۱]

۷۔ مختلف اعتبارات سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حیوانات و نباتات میں بہت سی چیزیں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں جو گویا کہ وحدت تخلیق یا وحدت ربوبیت کو ظاہر کر رہی ہیں۔ اگرچہ ان میں بہت سے اختلافات بھی ہیں، جو باہمی فرق و امتیاز کی خاطر ہیں۔ ان میں سب سے بڑا فرق جو ہے وہ یہ ہے کہ حیوانات آزادانہ طور پر نقل و حرکت کر سکتے ہیں جب کہ نباتات ایک جگہ پر خاموشی کے ساتھ زمین میں گڑے رہ کر اپنے تمام افعال اور ذمہ داریاں بخوبی ادا کرتے رہتے ہیں۔

یہاں پر استقصار مقصود نہیں ہے بلکہ صرف چند خصوصیات ہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ غرض حیاتیات اور خصوصاً حیوانی دنیا میں ان تمام نظامات (نظام تنفس، نظام عصبی، نظام ہضم، نظام اخراج فضلہ، نظام دوران خون، نظام آلات بول و براز، نظام عضلات اور نظام توالد و تناسل وغیرہ) کا مطالعہ منظم طریقے سے کیا جاتا ہے اور یہ تمام مباحث اوپر نقل کردہ حیاتیات کی متعدد

---

[۱] یہ مباحث زیادہ تر حسب ذیل کتاب سے ماخوذ ہیں:

A CLASS BOOK OF BOTANY, BY A.C. DUTTA, OXFORD UNIVERCITY PRESS, 1978.

شاخوں کے علاوہ طبی علوم (MEDICAL SCINCES) کے تحت بھی آتے ہیں۔ اور ان موضوعات پر مختلف زبانوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ تمام علوم اور مباحث قرآن حکیم کے بیان کردہ "نظام تسویہ" ہی کی تفصیل و تشریح ہیں۔ اور انسان قیامت تک اس سلسلے میں جو بھی تحقیق و تدقیق کرتا رہے گا اور جتنے بھی علوم و معارف کی تدوین کرتا جائے گا وہ سب محض تسویہ اور ربوبیت ہی کی تفسیر ہوگی۔

ان علوم اور ان کے مباحث کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انسان صدہا سال کے مسلسل مطالعے اور غور و فکر کی بدولت لاکھوں حیوانات و نباتات کا تفصیلی علم حاصل کر چکا ہے اور ان کی نوعی خصوصیات اور فطری و طبعی ضوابط کو نہایت درجہ دقت نظر کے ساتھ قلمبند کر رہا ہے۔ مثلاً اب تک محض دنیائے نباتات کی حسب ذیل اقسام ریکارڈ کر چکا ہے۔ ***

ALGAE (پھپوندی) کی بیس ہزار قسمیں دریافت کی جا چکی ہیں۔
FUNGI (سماروغ وغیرہ) کی نوے ہزار قسمیں دریافت کی جا چکی ہیں
BACTERIA (نباتاتی جراثیم) کی دو ہزار قسمیں دریافت کی جا چکی ہیں۔
LICHENS (کائی وغیرہ) کی پندرہ ہزار قسمیں دریافت کی جا چکی ہیں۔
BRYOPHYTA (برائیو فائٹیا) کی پودے چوبیس ہزار قسمیں۔

*** نباتات اپنے چند مشترکہ خصوصیات و امتیازات کی بنا پر کئی جماعتوں یا زمروں (GROUPS) میں تقسیم کئے گئے ہیں اور یہاں پر جو قسمیں بیان کی گئی ہیں وہ اسی قسم کے زمرے ہیں۔

PTERIDOPHYTA (ٹریڈوفائیٹا) کی نو ہزار قسمیں۔

GYMNOSPERMS (کھلے بیج والے پودوں) کی سات ہزار قسمیں۔

ANGIOSPERM (بند بیج والے پودوں) کی تقریباً دو لاکھ قسمیں [۱۳۵]

یہ صرف وہ انواع حیات ہیں جن کو انسان جانتا ہے اور جن کے وہ اپنی زبان میں "نئے نئے نام" تجویز کرتا رہتا ہے مگر ان کے علاوہ بے شمار ایسے نباتات پائے جاتے ہیں جن کو وہ بالکل نہیں جانتا یا جن کا تفصیلی علم حاصل کرنا متعدد حیثیتوں سے نہایت مشکل اور دشوار ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ربوبیت کے "نظام تسویہ" کو مکمل طور پر جاننا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ انسان کسی بھی حال میں تسویہ کا مکمل علم کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور قیامت تک اس کا علم ہمیشہ اور ہر دور میں نامکمل ہی رہے گا خواہ حیاتیاتی علوم کی کتنی ہی ترقی کیوں نہ ہو جائے یہ بھی وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے) کی گویا ایک نئی تفسیر ہے۔

غرض سورۂ اعلیٰ کی زیر بحث آیت کریمہ میں چونکہ "تسویہ" کا لفظ مطلقاً مذکور ہے، اس لئے اس کا اطلاق جس طرح عالم حیوانات اور عالم نباتات پر صادق آتا ہے اسی طرح وہ عالم افلاک اور عالم جمادات پر بھی صادق آسکتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں دیگر مواقع پر طبقہ سماوات اور نوع انسانی کی تخلیق کے سلسلے میں

---

۱۳۵ ملاحظہ ہو کتاب :- BOTANY FOR DEGREE STUDENTS BY A.C. DUTTA INTRODUCTION, OXFORD UNIVERCITY PRESS, 1979.

خصوصیت کے ساتھ یہ لفظ (تسویہ) لایا گیا ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۝

(اے انسانو! غور کرو) تمہارا بنانا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا، جس کو اس نے بنایا، اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اس کو ٹھیک ٹھاک کیا۔

(نازعات: ۲۷-۲۸)

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝

اے انسان تجھ کو کس نے برگشتہ کیا اپنے اس مہربان رب سے جس نے تجھ کو عدم سے وجود بخشا پھر (تیرے جسمانی اعضاء کو پورے تناسب اور سڈول پن کے ساتھ) درست کیا۔ پھر (تیرے مزاج اور تیری خصلتوں اور تیرے جسم میں کارفرما تمام ظاہری و باطنی نظاموں کو) معتدل بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو ڈھال دیا۔

(انفطار: ۶-۷)

یہاں پر طبقہ سماوات اور طبقہ انسانی کے لئے خصوصیت کے ساتھ اس لفظ (تسویہ) کو استعمال کرنے کی وجہ ان دونوں طبقات کی غیر معمولی اہمیت ہے نیز ان دو طبقات کا ذکر دو ایسے نمائندوں کی حیثیت سے کیا گیا ہے جو

ایک دوسرے سے بہت دور اور طویل فاصلے پر واقع ہیں۔ یعنی لاکھوں کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر۔ اوران دونوں کے درمیان بے شمار چھوٹے بڑے طبقات کا وجود بھی ہے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے تو ان دو کے ذکر سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ ان دونوں کے درمیان واقع تمام طبقات میں بھی یہی نظام تسویہ کارفرما ہے۔ انسان کے نظام تسویہ کی کچھ مزید تفصیلات ہمیں حسب ذیل آیات میں بھی ملتی ہیں :

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

اور یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس کو نطفے کی شکل میں ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں رکھا۔ پھر اس نطفے کو خون کی پھٹکی میں تبدیل کیا، پھر اس خون کی پھٹکی کو گوشت کی بوٹی بنایا، پھر اس بوٹی میں ہڈیاں بنائیں، پھر ان ہڈیوں پر گوشت (کے عضلات) چڑھائے پھر اس کو ایک دوسری مخلوق (بالکل ہی دوسری شکل میں) نکال کھڑا کیا۔ پس اللہ بڑی ہی نرالی شان والا ہے جو بہترین تخلیق کرنے والا ہے۔

(مومنون :- ۱۲- ۱۴)

نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَآ اَسۡرَهُمۡ ۚ	ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کی جوڑ بندی مضبوط کی (یعنی جسم کے سارے اعضاء اور ہڈیوں کو مضبوط و مستحکم بنایا، تاکہ وہ بخوبی کھڑے ہو سکیں، جھک سکیں، بیٹھ سکیں، چل پھر سکیں اور دوڑ سکیں۔ (دہر: ۲۸)

تسویہ کے اس نظام کو مجموعی حیثیت سے "عالمگیر نظام تسویہ" کا نام دیا جا سکتا ہے۔

نظام تقدیر

اس کے بعد مذکور ہے: وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۪ۙ اور وہ جس نے (تمام مخلوقات کے لئے ایک طبعی نظام) مقرر کیا پھر (ہر ایک کو اس نظام کے مطابق چلنے کی) توفیق بخشی۔

یہ بھی ایک کلیہ ہے جو تمام مخلوقات اور کل مظاہر فطرت پر صادق آتا ہے جیسا کہ قرآن کی دیگر آیتوں سے اس کی تفسیر ہوتی ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان کے شروع میں مذکور ہے:-

وَخَلَقَ كُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِیۡرًا ۝	اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ (منصوبہ اور قانون) مقرر کیا۔ (فرقان: ۲)

لفظ تقدیر کے حسب ذیل معانی آتے ہیں:-

۱۔ کسی چیز کی مقدار کو ظاہر کرنا۔

۲۔ قدرت و طاقت عطا کرنا۔

۳۔ اندازہ کرنا یا منصوبہ بنانا۔

امام راغب اصفہانی تحریر فرماتے ہیں:

"قدر اور تقدیر کے معنی کسی چیز کی مقدار ظاہر کرنے کے ہیں اور تقدیر کا ایک مطلب طاقت اور قدرت عطا کرنا بھی ہے۔ اس لحاظ سے اشیائے عالم سے متعلق تقدیر الٰہی کی دو صورتیں ہیں:

(۱) (ان کو کام کرنے کی) قدرت و طاقت عطا کرنا۔

(۲) حکمت کے تقاضے کے مطابق ان کو ایک مخصوص مقدار اور مخصوص شکل عطا کرنا ــــــ اس لئے کہ فعل الٰہی کی دو قسمیں ہیں: اول یہ کہ کسی چیز کو بالفعل وجود میں لانا یعنی ابتدا ہی میں اس کو کامل وجود اس طرح بخشنا کہ جب تک مشیت الٰہی اس کے فنا یا تبدیلی کی نہ ہو اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ ہو سکے۔ جیسے سماوات اور ان میں موجود شدہ چیزیں۔ دوم یہ کہ کسی چیز کے اصول کو بالفعل اور اس کے اجزاء کو بالقوۃ وجود بخشنا اور اس کے لئے ایسا ضابطہ بنا دیا کہ وہ اس کے خلاف جا نہ سکے۔ جیسے کھجور کی گٹھلی کے متعلق تقدیر الٰہی کہ اس سے کھجور کا درخت ہی اگے نہ کہ سیب یا زیتون کا۔ اور انسان کی منی کی تقدیر یہ بنائی کہ اس سے انسان ہی پیدا ہو نہ کہ اور قسم کے جانور۔" [۱۲۵]

---

[۱۲۵] مفردات القرآن، ص ۳۹۵۔

اس لحاظ سے سورۂ فرقان کی آیت کریمہ "فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا" سے مقصود یہ ہوا کہ وہ ہر ایک نوع اور ہر ایک مخلوق کا ایک مخصوص طبیعی قانون مقرر کرتا ہے۔ اور اس قانون طبیعی کے مطابق اس کو کام کرنے اور کارزار حیات میں جدوجہد کرنے کی قدرت وصلاحیت بھی حاصل رہتی ہے۔ یعنی اس کی طاقت اور وسعت ہی کے لحاظ ہی سے یہ قانون طبیعی اس کو عطا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا — اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے
اِلَّا وُسْعَہَا ؕ — زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

چنانچہ دنیا کی ہر مخلوق کو اس کی مخصوص طبیعت اور اس کی فطری قوت واستعداد کے مطابق ایک مخصوص قانون یا ایک موزوں ترطبیعی ضابطہ حیات عطا کیا جاتا ہے اور اس ضابطہ پر عمل پیرائی کے لئے ایک موزوں اور سازگار طبیعی ماحول (ENVIRO-NMENT) بھی عطا کیا جاتا ہے جس کو اس موقع "عالمگیر نظام تقدیر" کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے دنیا میں جتنے انواع حیات (SPEC-IES) ہیں گویا کہ اتنے ہی نظامہائے تقدیر بھی ہیں۔ قوانین ربوبیت اور نظامہائے تقدیر کے اس جائزے کے لئے موجودہ تمام حیاتاتی علوم کو کھنگالنا پڑے گا۔

اس موقع پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ نبوت وشریعت وغیرہ بھی اسی نظام تقدیر کا محض ایک جزو ہیں۔ یعنی وسیع مفہوم کے مقابلے میں ان کی حیثیت جزئی مفہوم کی ہے۔

صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْ قَدَّرَ: اَیْ جَعَلَ — دنیا میں جتنی انواع واقسام کی

الأشياء على مقادير مخصوصة في أجناسها وأنواعها وأفرادها وصفاتها وأفعالها وآجالها.	چیزیں ہیں اور پھر ان انواع میں سے ہر نوع میں جو مختلف افراد اور ان کی صفات پائی جاتی ہیں اور اس طرح ان کے جو مخصوص نوعی افعال اور مخصوص عمریں پائی جاتی ہیں، سب کو ایک خاص مقدار (اور متعین ضابطے کے مطابق) بنایا ہے۔ ۳۶؎

صاحب تفسیر کبیر تحریر فرماتے ہیں :۔

" ارشادِ الٰہی" قَدَّرَ" (اس نے مقرر کیا) مخلوقات کے ذوات وصفات پر حاوی ہے کہ ہر ایک کو اس کے مناسب حال (خصوصیات عطا کیں)، پس اس نے سماوات، کواکب، عناصر، معدنیات، نباتات، حیوانات اور نوع انسانی (میں سے ہر ایک کو) ایک مخصوص مقدار وجسامت عطا کی۔ اور اسی طرح ان میں سے ہر ایک کی بقا کے لیئے ایک مدت معلوم مقرر کی۔ اور ان کے لئے رنگ و بو، ذائقہ ولذت، اچھائی برائی، سعادت وشقاوت اور ہدایت وضلالت وغیرہ کے چند متعین ضوابط بنائے، جیسا کہ ارشاد باری ہے :۔

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ.	اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے موجود ہیں۔ لیکن ہم اس کو ایک مقررہ مقدار ہی کے تحت اتارتے ہیں۔

۳۶؎ تفسیر روح المعانی، ۱۰۴/۲۰

اس فقرہ کی شرح و تفسیر کے لئے کئی ضخیم جلدیں بھی ناکافی ہیں۔ بلکہ اعلیٰ علیین سے لے کر اسفل السافلین تک سارا جہاں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سما سکتا ہے[۵۸]

اس وسیع اور ہمہ گیر "تقدیر الٰہی" سے متعلق چند دیگر آیات ملاحظہ ہوں، آفتاب و ماہتاب کے بارے میں مذکور ہے:

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ	اور اس نے رات کو سکون کا ذریعہ
وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ	بنایا۔ اور آفتاب و ماہتاب کا ایک
تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝	حساب مقرر کیا (ان دونوں اجرام کا نظام)
	ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی کا
	مقرر کیا ہوا ضابطہ ہے (انعام: ۹۶)
وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ:	اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کیں۔
	(یٰسین: ۳۹)

رات اور دن کے بارے میں مذکور ہے:

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ	رات اور دن کا ضابطہ اللہ ہی بناتا
	ہے۔ (مزمل: ۲۰)

کرۂ ارض میں سامان معیشت پیدا کرنے اور مخلوقات کے لئے مختلف قسم کی روزیاں فراہم کرنے کے بارے میں ارشاد ہے:

وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا	اور اس نے زمین میں برکت رکھ
اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ	دی اور چار دن (یا چار مدارج میں)

---

[۵۸] تفسیر کبیر، ۸/۲۸۰

ہر قسم کا سامان معیشت تجویز کر دیا
(حٰمٓ سجدہ : ۱۰)

انسان کے بارے میں ارشاد ہے :-

مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ۙ (انسان کو نطفے سے پیدا کیا پھر اس کا ایک ضابطہ بنایا۔ (عبس : ۱۹)

اور عمومی قاعدے کے طور پر بیان فرمایا گیا :

قَدۡ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا ۝ (اللہ نے ہر چیز کا ایک ضابطہ بنا رکھا ہے۔ (طلاق : ۳)

اس طرح عرش سے فرش تک تمام مظاہر کائنات مضبوط و مستحکم ضوابط اور عالمگیر قوانین "تقدیر" میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہی وہ قوانین ہیں جن کو موجودہ انسان سائنسی علوم کے ذریعہ دریافت کر رہا ہے اور ان کو اپنی اصطلاح میں "قوانین فطرت" یا LAWS OF NATURE کا نام دے رہا ہے۔ لیکن اصطلاحات کے بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی۔

نظام ہدایت

اسی طرح ہدایت کا مفہوم بھی یہاں پر وسیع معنی کا حامل ہے۔ یعنی ہر نوع اور ہر مخلوق کو اس کے مخصوص طبعی قانون اور ضابطے کے مطابق رہنمائی کرنا بھی اسی رب برتر کا کام ہے۔ اور یہ مخصوص نوعی قانون ہر مخلوق کی فطرت میں پوری طرح ودیعت کر دیا جاتا ہے جس کے خلاف وہ جا ہی نہیں سکتی۔

اس قانون کی تشریح وتفسیر دوسرے موقع پر اس طرح کی گئی ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی لَہٗ

کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئی کو (اس کی مخصوص) خلقت عطا کی پھر اس کی رہنمائی کی۔ (طٰہٰ: ۵۰)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح اپنے مختصر حواشی میں تحریر فرماتے ہیں:-

"یعنی جمیع مخلوقات را اندازہ کرد، بحسب آں اندازہ در مخلوقات تصرف فرمودتا ہماں صورت بر روی کار آمد، پس ایں تصرف را ہدایت تعبیر فرمود" ۳۲۸

علامہ آلوسی تحریر فرماتے ہیں:-

"(ان مخلوقات میں سے) ہر ایک کو اُدھر ہی پھیرا جدھر سے وہ نکلا تھا اور طبعی واختیاری حیثیت سے وہ اس کے لئے مناسب تھا اور جس چیز کے لئے اس کو پیدا کیا اس میں اس کو آسانی عطا کی، میل جبلت اور الہامات نیز دلائل ونشانات کی فراہمی کے ذریعہ۔ پس اگر تم نباتات اور حیوانات کے حالات وکوائف کا جائزہ لوگے تو تم ان میں سے ہر ایک نوع میں ایسے حالات کا مشاہدہ کروگے، جن کی وجہ سے عقلیں حیران ہو جائیں گی اور ان کے نقل کرنے میں دفتروں کے دفتر بھی ناکافی ہوں گے۔" ۳۲۹

علامہ ابن کثیر نے اس لفظ کی تفسیر میں ہدایت کے وسیع مفہوم پر (تمام خلائق کو شامل ہونے کے بارے میں) استدلال کرتے ہوئے صحیح مسلم کی ایک

---

۳۲۸ فتح الرحمٰن، مطبوعہ بمبئی، ۱۳۰۴ھ

۳۲۹ تفسیر روح المعانی، ۲۰/۱۰۴۔

حدیث پیش کی ہے :-

عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بن عمرو ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ان اللّٰہ قدر مقادیر الخلائق قبل أن خلق السموات والأرض بخمسین ألف سنۃ وکان عرشہ علی الماء :-

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے (تمام) مخلوقات کے مقادیر (ضوابط) زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی تجویز کر دیئے تھے اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ [۵۲]

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

" اللہ تعالےٰ نے دنیا کی چیزوں کو صرف پیدا کر کے اور بنا کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہر چیز کو کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا اور اس کے مناسب اس کو وسائل دیئے اور اسی میں اس کو لگا دیا .... حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ہدایت تمام کائنات ومخلوقات کو شامل ہے۔ آسمان اور آسمانی مخلوقات ہوں یا زمین اور اس کی مخلوقات، کیونکہ ایک خاص قسم کی عقل وشعور اللہ تعالےٰ نے ان کو بھی دیا ہے گو وہ انسان کے عقل وشعور سے کم ہو۔" [۵۳]

دنیائے حیوانات میں بعض ایسی عجیب وغریب انواع پائی جاتی ہیں جو اپنے اعمال وافعال کی ندرت کی وجہ سے عجائبات عالم میں شمار ہوتی ہیں اور ان کے

---

[۵۲] تفسیر ابن کثیر، ۴ / ۵۰۰

[۵۳] تفسیر معارف القرآن ۸ / ۷۲۳ — ۷۲۴،

حیرتناک اعمال و افعال کی کوئی توجیہ سوائے "ہدایت الٰہی" اور ربوبیت خداوندی کے ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ امریکہ کے ایک نامور سائنس داں کریسی موریسن (CRESSY MORRISON) نے مادیت کی تردید میں مختلف سائنٹیفک دلائل سے مزین ایک کتاب MAN DOES NOT STAND ALONE کے نام سے لکھی۔ جس کا اردو ترجمہ "خدا ہمارے ساتھ ہے" از مولانا صلاح الدین احمد پیش نظر ہے۔ اس کتاب کے آٹھویں باب "حیوانی جبلتیں" سے اس سلسلے میں چند دلچسپ اور بصیرت افروز مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

" مرغابیاں ہر موسم سرما میں شمالی برفستانوں سے پرواز کرتی اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے اڑتی ہوئی ہمارے میدانوں میں پہنچ جاتی ہیں۔ اور ہماری جھیلوں اور تالابوں کے نیستانوں میں سردیاں بسر کر کے بہار آتے ہی اپنے وطنوں کا رخ کر لیتی ہیں۔ اور کیا مجال کہ اس دور دراز سفر میں کہیں گز بھر بھی ادھر ادھر جائیں۔ کچھ یہی کیفیت پیغام رساں کبوتروں کی ہے۔ آپ ایسے کسی کبوتر کو پنجرے یا کابک میں بند کر کے موٹر یا ریل کے ذریعہ سیکڑوں میل دور لے جائیے۔ جب آپ اسے چھوڑیں گے تو وہ فضا میں دو چار چکر لگائے گا۔ گویا اندازہ کر رہا ہے کہ میں کہاں ہوں اور پھر تیر کی طرح اپنے گھر کا رخ کرے گا اور سیدھا وہیں پہنچ جائے گا۔ یہ اس کی جبلت ہے۔ اور یہی جبلت شہد کی مکھی کو قدرت نے بخشی ہے کہ اپنے چھتے سے نکل کر دور دور تک پھولوں کے رس کی تلاش میں جاتی ہے اور پھر اپنے ٹھکانے پر لوٹ آتی ہے۔" [۵۲]

---

[۵۲] خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ص ۷۵۔ طبع دوم، ۱۹۶۵ء

"سامن مچھلی سالہا سال سمندر میں بسر کرتی ہے۔ لیکن جب اس کے بعد وطن جانے کا وقت آتا ہے تو وہ کسی دریا کے دہانے کا رخ کرتی ہے اور اس کے تیز دھارے کا مقابلہ کرتی ہوئی برابر اوپر کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے اور پھر صدہا میل طے کر کے اس ندی کی طرف مڑ جاتی ہے جہاں وہ اصل میں پیدا ہوئی تھی۔ یہاں بھی دائیں کنارے کی متوطن سامن کبھی بائیں کنارے کی طرف نہیں جائے گی، خواہ اس کے اپنے کنارے پر ہزاروں جال اور کنڈیاں کیوں نہ لگ رہی ہوں، جب کہ دوسرا کنارہ کسی قانون کے باعث ان بلاؤں سے بالکل محفوظ ہو۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو سامن کو عین ٹھکانے پر لے جاتی ہے؟ اور بارہا یہ بات دیکھی گئی ہے کہ دریا کے الٹے رخ سفر کرتے ہوئے اگر یہ مچھلی کبھی غلطی سے کسی دوسری ندی کی طرف مڑ گئی ہے تو غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً لوٹے گی اور صحیح موڑ آنے پر اپنی ندی ہی میں داخل ہو گی اور وہیں اپنی منزلِ مقصود اور اپنے مقدرِ معلوم تک پہنچے گی۔

ایل مچھلی کا معاملہ اس سے بھی پیچیدہ تر اور حیرتناک ہے۔ یہ عجیب و غریب مخلوق دریاؤں اور ان کے کنارے کی جھیلوں میں شباب کو پہنچتی ہے اور پھر دنیا کے ہر مقام سے ایک ہی منزل یعنی جنوبی برمودا کا رخ کرتی ہے۔ یورپ سے برمودا کے جزائر ہزارہا میل دور ہیں لیکن وہ طویل سفر ضرور طے کرے گی اور شمالی ملکوں سے جنوبی سمندروں کی لاانتہا گہرائیوں میں پہنچے گی۔ یہاں پہلے وہ بچے دے گی اور پھر مر جائے گی۔ اور اس کے یہ بچے جو اردگرد بحرِ ناپیدا کنار کی خوفناک ویرانیوں کے سوا کچھ نہیں پاتے، پھر سے ان ساحلوں کا رخ کر لیتے ہیں جہاں سے ان کے ماں باپ آئے تھے اور وہاں پہنچ کر اپنی ندی جھیل یا تال کی راہ پکڑ لیتے اور

اپنے اصل وطنوں کو جا آباد کرتے ہیں۔ یہاں تک پہنچنے میں نہ جانے وہ کتنے ریلوں سے گذرتے، کتنے طوفانوں میں سے پار ہوتے، کتنے بھنوروں میں سے بچ بچ کر آگے بڑھتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنی اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں، جسے انہوں نے اپنی ظاہری آنکھوں سے کبھی دیکھا تک نہیں تھا اور جس کی طرف محض ایک اشارۂ غیب ان کی رہنمائی کرتا ہے......لیکن کوئی امریکی ایل کبھی یورپ کے سمندروں میں نہیں پائی گئی اور نہ کوئی یورپی ایل کبھی امریکی پانیوں میں نظر آئی۔ یہ دونوں نسلیں برمودا میں ضرور جمع ہوتی ہیں لیکن جب ان کے بچے وہاں سے لوٹتے ہیں تو تیر کی طرح اپنے ہی نشانے پر پہنچتے ہیں۔" ۵۳

"گھونسلوں میں سے چرائے ہوئے (پرندوں کے) بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو حالتِ اسیری میں بھی اپنے گھونسلے اسی انداز میں بناتے ہیں، جو ان کے آباؤ اجداد سے خاص ہوتا ہے۔" ۵۴

"میٹھے پانی میں بعض ایسے کثیر پا حیوانات پائے جاتے ہیں کہ اگر آپ ان میں سے کسی کو ڈیڑھ ڈیڑھ حصوں میں تقسیم کر دیں تو ہر نصف حصہ پھر سے ثانی پیدا کرے گا۔ اسی طرح بعض دلدلوں کے قریب ایسے کچھوے پائے جاتے ہیں جن کے سر کاٹ دو تو وہ پھر سے پیدا کر لیتے ہیں۔" ۵۵

"ہر اولین خلیہ اپنی تمام جزئیات میں اپنے اندر ایک فردِ کامل پنہاں رکھتا ہے"

---

۵۳ کتاب مذکور، ص ۸۵ — ۸۷،

۵۴ ایضاً، ص۔ ۹۰،

۵۵ ایضاً، ص۔ ۹۱،

پس اس اعتراف میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ ہم ہی سے ہر شخص کی ذات اس کے جسم کے ہر خلیے اور ریشے میں موجود ہوتی ہے اور ایک واحد خلیہ جس حیرت انگیز طریقے سے ایک حیوان کامل کی صورت اختیار کر لیتا ہے وہ فطرت کے معمول میں سے ایک امتیازی مقام رکھتا ہے۔"[۱۵]

یہی مصنف اپنے ایک دوسرے مضمون میں لکھتا ہے :-

"ایک بھڑ ایک پتنگے کو بے بس کر لیتی ہے۔ بھڑ زمین میں ایک سوراخ کھودتی ہے۔ پتنگے کو ٹھیک جگہ پر ڈنگ مارتی ہے تاکہ وہ مر نہ جائے بلکہ صرف بیہوش ہو اور محفوظ گوشت کی صورت میں زندہ رہے پھر بھڑ سلیقے کے ساتھ انڈے دیتی ہے تاکہ اس کے بچے جب انڈوں سے نکل آئیں تو پتنگے کو مارے بغیر اسے کھا سکیں۔ ان کے واسطے مرے ہوئے پتنگے کا گوشت مہلک ہوتا ہے۔ پھر ماں وہاں سے اڑ جاتی ہے اور باہر جا کر مر جاتی ہے اور واپس آ کر کبھی اپنے بچوں کو نہیں دیکھتی۔ یہ پراسرار ترکیبیں سیکھنے سکھانے سے نہیں آتیں بلکہ یہ فطرت میں سمو دی جاتی ہے۔"[۱۶]

اسی طرح دیمک، چیونٹی اور شہد کی مکھیوں کی اجتماعی اور حد درجہ منظم زندگی کے عجیب وغریب حالات بھی ہمیں درس عبرت دیتے ہیں خصوصاً شہد کی مکھیوں کا خارجی آلات کی مدد کے بغیر ہندسی شکل میں بالکل یکساں قسم کے خانے بنانا جو فن

---

[۱۵] ایضاً ص-۹۲

[۱۶] ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ، ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء۔

انجینئرنگ کے ایک شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں، بغیر خدائی الہام و رہنمائی کے ممکن نہیں۔ اسی طرح مکڑی بھی بغیر پرکار کے ہندسی اشکال کے جالے تنتی ہے مگر کیا مجال ہے کہ کبھی اس کی ہندسی ہیئت میں ذرا سا بھی فرق آجائے۔

امریکہ کا ایک اور مشہور سائنسداں ڈاکٹر الکسس کیرل ALEXIS CARREL اپنی شہرہ آفاق کتاب MAN THE UNKNOWN میں خلیوں کے عمل کو شہد کی مکھیوں کے اس حیرت انگیز فعل سے مشابہت دیتے ہوئے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیے بے شمار گروہوں کا جزء بننے کے باوجود اپنی ابتدائی وحدت کو نہیں بھولتے ہیں۔ وہ فوراً یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ پورے نظام جسمانی کے اندر انہیں کیا کام کرنا ہوگا۔ خلیوں کی مثال شہد کی ان مکھیوں کی سی ہے جو اپنے چھتے کو اقلیدس کے اصول کے مطابق تیار کر لیتی ہیں۔ اس چھتے میں شہد جمع ہوتا ہے اور چھوٹی چھوٹی مکھیوں کو اس سے غذا حاصل ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مکھی ریاضیات، کیمیا اور حیاتیات سے اچھی طرح واقف ہوتی ہے اور وہ اپنے پورے گروہ کے لئے بے غرض کام کرتی ہے۔ خلیوں کا اعضا کی تعمیر کی طرف خود بخود مائل ہونا، جیسا کہ شہد کی مکھیوں میں چھتے کے بنانے کے لئے ایک فطری ذوق پایا جاتا ہے، مشاہدے کا ایک بدیہی اصول ہے۔ ہمارے موجودہ تصورات کی روشنی میں اس کی کوئی تشریح نہیں کی جا سکتی۔" ۴۸ھ

۴۸ھ کتاب مذکور کا اردو ترجمہ "نامعلوم انسان" ص، ۱۲۷ – ۱۲۹، بقیہ حاشیہ

کریسی مورلیسن اپنی کتاب میں شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں کی اس منظم اور نہایت درجہ متمدن زندگی کی متعدد مثالیں پیش کرتے اور پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بالکل صحیح نتیجے تک پہنچتا ہے:

"یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مادے کے وہ بے جان ذرے اور ریزے جن سے مل کر کسی چیونٹی کا چھوٹا سا جسم بنتا ہے، ایسے ایسے پیچیدہ عمل کیونکر سر انجام دیتے ہیں۔ اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ اس نظام عمل کے پیچھے کہیں نہ کہیں کوئی زبردست ذہانت ضرور کارفرما ہے۔" ۵۴۹

غرض روئے زمین پر جتنی بھی انواع حیات ہیں سب کا یہی حال ہے کہ ہر ایک کی ایک مخصوص فطرت اور مخصوص جبلت ہوتی ہے جس کے مطابق وہ کام کرتی رہتی ہے اور ایک ان دیکھی ہستی (رب برتر) ان کے تمام فطری و طبعی احوال وکوائف اور جبلی اعمال وافعال کا شاہد و نگران اور ہر ایک کو اس کے مخصوص ضابطے کے مطابق رہنمائی و رہبری کرنے والا ہوتا ہے۔ انہی منظم اصول وضوابط کی بدولت دنیا میں ہر مخلوق کو اس کے مناسب حال روزی۔ ایک دوسرے کے توسط سے اور مختلف مخلوقات کی مشترکہ جدوجہد کے ذریعہ پہنچ رہی ہے۔ اس حیثیت سے بھی اگر حیاتیاتی علوم کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں رب برتر کی ربوبیت اور مخلوقات پروری کے حیران کن نظارے دکھائی دیتے ہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ   اور روئے زمین پر ایسا کوئی جاندار

بقیہ حاشیہ: مطبوعہ مدراس یونیورسٹی - ۱۹۵۲ء

۵۴۹ خدا ہمارے ساتھ ہے، ص ۱۰۰ -

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ	موجود نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط	ذمے نہ ہو، (یہاں تک کہ) وہ اس کے
	(مستقل) ٹھکانے اور (عارضی) ٹھکانے
	کو بھی جانتا ہے۔ (ھود: ۶)

اگر ربوبیت و مخلوق پروری یا "تقدیر و ہدایت" کا یہ نفیس و بے داغ اور منظم و ہمہ گیر نظام موجود نہ ہوتا تو پھر ہر طرف بدنظمی و انتشار رونما ہوتا اور یہ کارخانۂ عالم آناً فاناً اجڑ جاتا۔ اس جہان رنگ و بو میں نہایت درجہ نظم و ضبط اور عدم انتشار دلیل ہے اس بات کی کہ تمام مظاہر حیات ـــ جو لاکھوں قسم کے اور بالکل مختلف اور گوناگوں خصوصیات کے حامل ہیں ـــ ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی کے کامل اور مسلسل نگرانی میں رواں دواں ہیں۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ	یہ ہے ایک زبردست اور ہمہ دان ہستی
	کا منصوبہ۔ (حٰم سجدہ: ۱۲)
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى	اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے
كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝	اور وہی ہر چیز کا نگراں ہے۔ (زمر: ۶۲)
اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط	ہاں تو تخلیق کرنا اور (ہر ایک پر) حکم
	چلانا اسی کا کام ہے۔ (اعراف: ۵۴)

مخلوقات الٰہی کے تفصیلی مطالعے و مشاہدے سے ہمیں بے شمار اسباق و بصائر اور دلائل و براہین حاصل ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر ارشاد باری ہے:

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ	تمہاری اور ان جانوروں کی خلقت

وَدَابَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۙ — میں جن کو وہ (زمین پر) پھیلاتا ہے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔ (جاثیہ: ۴)

حاصل یہ کہ ان چار الفاظ کی حیثیت چار مستقل قسم کے قوانین یا چار نظاموں کی سی ہے جو تمام مخلوقات پر محیط ہیں۔

ردِّ مادیت

حیوانات ہوں یا نباتات ہر ایک کا وجود ابتدا ً ایک خلوی پروٹو پلازم سے شروع ہوتا ہے۔ پھر بتدریج ان کے خلیوں (CELLS) کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک مکمل انسان کروڑوں اربوں خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے ایک بے جان چیز سے ایک جاندار چیز یا ایک بے جان مادے سے ایک جاندار اور زندہ خلیہ کیسے وجود میں آگیا اور منی کے ایک قطرے یا کسی خشک بیج اور بے جان گٹھلی سے یکایک حیات کا ظہور نہایت درجہ منظم و منضبط طریقے سے کیونکر ہوجاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ منطقی اور سائنٹیفک نقطۂ نظر سے بغیر کسی محرک کے حرکت کا ظہور محال ہے۔ یہی محرک اور فاعل خدا ہے۔

اگر یہاں پر یہ کہا جائے کہ منی میں چونکہ بے شمار ننھے ننھے خوردبینی اجسام (SPERMOTOZOA) ہوتے ہیں، جو عورت کے بیضے سے مل کر بارآور ہوتے اور جنین کی پیدائش کا باعث بنتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ خود منی میں یہ ننھے ننھے اجسام کیسے پیدا ہو گئے اور ان کا خالق کون ہے اور ہمیشہ ان سے یکساں نتیجہ

کیسے اور کیونکر برآمد ہوتا رہتا ہے؟ وہ کون ہے جو سانپ کی شکل کے ان اجسام کو ہمیشہ انسانی قالب میں ڈھالتا رہتا ہے؟ اس قسم کے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ حیات کا وجود بغیر کسی خالق یا صانع کے خود بخود ہو گیا اور یہ نظام آپ سے آپ جاری و ساری ہے بالکل باطل اور بلا دلیل ہے اسی لئے ارشاد ہوا :

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى	گن گاؤ اپنے اس رب برتر کے
الَّذِي خَلَقَ ۔	جس نے تمام مخلوقات کو (ٹھیک طریقے سے) پیدا کیا۔

وہ عظیم الشان خوبیوں اور حیرتناک افعال والا ہے جو بے جان مادے سے زندگی کو وجود میں لاتا ہے اور پھر زندہ اشیاء سے بے جان چیزیں نکالتا رہتا ہے جس کے افعال و اسرار کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝	بے شک اللہ ہی دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے (جو بے جان ہوتے ہیں) وہ (اس) بے جان چیز سے زندہ چیز (پیدا کرتا ہے یعنی پروٹوپلازم سے بھرپور زندگی) اور زندہ چیز سے (پھر دوبارہ) بے جان چیز نکالتا ہے یہی ہے اللہ، لہٰذا تم کہاں بہک رہے ہو۔ (انعام : ۹۵)

نظریۂ ارتقاء کا ابطال

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام ربوبیت کے یہ چار بنیادی قوانین:
خلق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت نہ صرف اس کائنات کی ایک منظم و مربوط داستان
سنا رہے ہیں بلکہ غلط قسم کے مشرکانہ اور مادہ پرستانہ افکار و نظریات کی تردید
بھی کر رہے ہیں، جن میں سے ایک نظریۂ ارتقا بھی ہے[1]

چنانچہ نظریۂ ارتقا کے مطابق "حیات" کی توجیہہ کچھ اس طرح کی
جاتی ہے کہ کرۂ ارض پر جب ہوا اور پانی وجود میں آئے تو ....
.... سب سے پہلے پانی میں یک خلوی
(UNICELLULAR) اور سادہ قسم کا جاندار پروٹوزوا (PROTOZOA)
نمودار ہوا، جو ایک عرصۂ دراز تک ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنے سے
پیچیدہ تر "متعدد خلوی" (MULTICELLULAR) انواع کا روپ دھارتا
رہا۔ پھر یہ نئی انواع بھی مزید پیچ در پیچ منازل ترقی طے کرتی ہوئی نباتات
کے قالب میں ظاہر ہوئیں۔ پھر یہی نباتات ترقی کرتے کرتے ادنیٰ قسم کے
حیوانات بن گئے، جو مسلسل اپنی ہیئت بدلتے بدلتے آخر کار ایک انتہائی ترقی یافتہ
شکل و صورت میں نمودار ہوئے جسے انسان کہتے ہیں۔

---

[1] نظریہ ارتقاء پر بحث یہاں پر ضمناً اور بالکل روا روی میں کی گئی ہے تاکہ ان
آیات کریمہ کی تشریح و تفسیر مکمل ہو جائے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے ایک الگ
کتاب "قرآن حکیم اور نظریۂ ارتقاء" کے نام سے زیر تصنیف ہے۔

نظریہ ارتقار کی تائید اور تردید میں اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مگر اس نظریہ کی تائید سے زیادہ اس کی تردید کے دلائل بہت وزنی اور زوردار ہیں۔ اور پھر یہ کوئی ثابت شدہ حقیقت یا علمی نظریہ نہیں بلکہ مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے مظاہر کائنات کے وجود کی توجیہہ و تعلیل کی ایک کوشش ہے جس کو یورپ کی نشأۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کے نتیجے میں پیدا ہونے والی سائنس اور عیسائیت کی تاریخی کش مکش نے جنم دیا ہے۔

بہر حال اس سلسلے میں سب سے پہلا اور بنیادی سوال جسے ڈارون نے ہاتھ تک نہیں لگایا یہ ہے کہ سب سے پہلے پانی میں زندگی کیسے رونما ہوئی؟ جب کہ متعدد سائنسی تجربات کی بدولت اب یہ بات پوری طرح پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ایک بے جان اور غیر متحرک مادے سے جاندار اور متحرک چیز برآمد نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مشہور ماہر جراثیم پاسچر (PASTEUR) کے تجربات سے ثابت ہو چکا ہے۔

اسی بنا پر اب بہت سے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ زندگی کا اولین وجود ہمارے کرۂ ارض پر نہیں ہوا بلکہ زندگی درحقیقت کسی دوسرے سیارے سے ہماری زمین پر آئی ہوگی۔ مگر بنیادی سوال پھر بھی حل نہیں ہوتا کہ دوسرے سیارے پر زندگی کہاں سے آگئی؟ اصل حقیقت جس سے مادہ پرست سائنسدان دامن بچانا چاہتے ہیں، وہ ایک خلاق اور فعال ہستی کے وجود کا اعتراف ہے۔ مگر اس خلاق اور پرجلال ہستی کا وجود تسلیم کئے بغیر کائنات کی گتھیاں سلجھ نہیں سکتیں بلکہ وہ اور زیادہ پراسرار بن جاتی ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِي خَلَقَ۔

نظریہ ارتقار اور اس کی توجیہہ پر دوسرا بنیادی اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو پروٹوزوا سے لے کر انسان تک لاکھوں قسم کی درمیانی انواع حیات پائی جاتی ہیں، کیا ان کے جسمانی اور طبعی نظام میں آج ہمیں ایسی کچھ تبدیلیاں بھی نظر آرہی ہیں جن کی بنیاد پر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک نوع دوسری نوع کے بطن سے جنم لے رہی ہو؟ کیا ان انواع حیات کے عادات واطوار اور ان کی خصلتوں اور جبلتوں میں کسی ادنیٰ قسم کی بھی کوئی تبدیلی نظر آرہی ہے؟ کیا آج اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ مچھر کے بطن نے مکھی یا مرغی کے بطن سے بطخ یا زنبور کے بطن سے بھنورا یا مکڑی کے بطن سے کنکھجورا یا چیونٹی کے بطن سے دیمک یا طوطے کے بطن سے مینا یا ہاتھی کے بطن سے گینڈا وجود میں آجائے؟ بلکہ کیا اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ خود انسان ہی کے بطن سے اس سے بھی پیچیدہ تر اور اعلیٰ کوئی نوع برآمد ہو سکے؟

غور فرمائیے نظریہ ارتقار کے مطابق اولین وجود یعنی پروٹوزوا سے لے کر انسان تک تقریباً بارہ لاکھ درمیانی انواع میں سے کسی ایک نوع کا وجود بھی اس طویل ترین مدت میں مٹ نہیں گیا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ پروٹوزوا اپنے سے اعلیٰ تر انواع کو وجود میں لا چکنے اور لاکھوں سال گذار لینے کے باوجود (اس نظریہ کے مطابق) وہ آج بھی پروٹوزوا ہی نظر آرہا ہے۔ ہائیڈرا صرف ہائیڈرا ہی

دکھائی دے رہا ہے، مچھر صرف مچھر ہی ہے، بلی محض بلی ہی ہے، کتا کتا ہی دکھائی دے رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ نظریہ ارتقاء کی توجیہہ تو اس وقت صحیح ہو سکتی تھی جب کہ ایک اعلیٰ نوع کے وجود میں آنے کے بعد ادنیٰ نوع کا وجود مٹ جاتا۔ جس نوع کی جسمانی شکل وصورت، وضع قطع، عادات و اطوار، طبعی و فطری قوانین اور اس کے خصائص و امتیازات میں کسی بھی حیثیت سے آج ہمیں ایک شمہ برابر بھی تغیر و تبدل دکھائی نہ دے رہا ہو اور نہ مستقبل میں اس کے امکانات ہی نظر آ رہے ہوں تو پھر یہ کتنا غیر عقلی اور غیر سائنٹیفک استدلال ہوگا کہ اس قسم کے کسی امکان کو۔ بغیر کسی ثبوت یا مشاہدے کے۔ ماضی میں فرض کر لیا جائے اور اس پر ایک عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھ دی جائے۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ	کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو (اپنے
كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ ٥	دعوے کی) دلیل پیش کرو (نمل: ۶۴)

غرض نظام ربوبیت کے یہ قوانینِ تخلیق و تسویہ اور تقدیر و ہدایت اس لحاظ سے بھی ان غلط اور بے بنیاد قسم کے افکار و نظریات کی تردید کرتے ہوئے اس عالم رنگ و بو اور ان میں کارفرما ضوابط کی مکمل توجیہہ و تعلیل کر رہے ہیں۔ اور ان قوانین کی تشریح و تفصیل میں کہیں بھی کوئی رخنہ یا شگاف دکھائی نہیں دیتا۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ	بلاشبہ تیرا رب ہی خلاق اور ہمہ دان ہے۔ (حجر: ۸۶)

خلاق کے معنی جیسا کہ گزر چکا یکے بعد دیگرے مخلوقات کو پیدا کرنے والے کے بھی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ لاکھوں انواع حیات ہو سکتا ہے کہ یکے بعد دیگرے وقفے وقفے سے وجود میں آئے ہوں جو قرین قیاس بھی ہے۔ مگر یہ وقفہ خواہ قلیل رہا ہو یا کثیر ہر حالت میں ایک خلاق ہستی کے وجود کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ورنہ پھر ان لاکھوں انواع حیات اور ان کے خصائص کی کوئی تشفی بخش توجیہہ نہیں ہو سکتی۔

اس موقع پر "العلیم" کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح "کثرت تخلیق" اس کی خصوصی صفت ہے اور وہ یکے بعد دیگرے مخلوقات کو وجود بخشتا رہتا ہے، اسی طرح وہ ان لاکھوں اور لاتعداد مخلوقات کے تمام طبیعی و فطری ضوابط اور ان کے ایک ایک رگ و ریشے سے بھی بخوبی واقف ہے، اور اسی کے مطابق ہر ایک کو اس کی روزی پہنچا رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ	اللہ ہی ہے (ہر ایک کا) روزی
ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ٥	رساں، قوی اور مضبوط (ذاریات: ۵۸)

یعنی ہر ایک مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ مضبوط اور بے داغ طریقے سے رزق پہنچانے والا جس کے نظام میں کوئی عیب نہ ہو۔

ابھی حال ہی میں آکسفورڈ سے ایک کتاب "قاموس نامعلومات"[لـه]

لـه :- THE ENCYCLOPAEDIA OF IGNORANCE, EDITED BY RONALD DUNCAN, PERGAMON PRESS, OXFORD, 1978.

کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس میں مختلف سائنسی علوم میں مہارت رکھنے والے ساٹھ ماہرین کے تحقیقی مقالات شائع ہوئے ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے فن کا خصوصی جائزہ لے کر بتایا ہے کہ انسان اب تک جن حقائق سے ناواقف ہے یا جن چیزوں کی اصلیت کو وہ اب تک نہیں جان سکا ہے ان میں سے ایک زندگی کی حقیقت اور انواع حیات کا وجود بھی ہے اور اس سلسلے میں ایک ماہر نے تو اپنے مقالے کا عنوان ہی "مغالطات نظریۂ ارتقار" (FALLACIES OF EVOLUTIONARY THEORY) رکھ دیا ہے۔

حیاتیات کا مطالعہ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ان آیات کریمہ (الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی) کی تفسیر میں دنیا کی تمام چیزیں اور کل موجودات آسکتی ہیں، جن کا دائرہ بحث تمام سائنسی علوم پر حاوی ہے۔ مثلاً :-

طبیعیات ـــــــ PHYSICS
کیمیا ـــــــ CHEMISTRY
حیاتیات ـــــــ BIOLOGY
ارضیات ـــــــ GEOLOGY
فلکیات ـــــــ ASTRANOMY

اور منطقی اعتبار سے بھی یہ آیات بہت جامع و مانع دکھائی دیتی ہیں۔ سائنس کی کوئی بھی شاخ ہو اور اس کے جو بھی مسائل و مباحث ہوں وہ

حیرت انگیز طور پر ان چار قوانین کے دائرے میں گھر جاتے ہیں۔ گویا کہ یہ چار ربانی سانچے ہیں جن میں "خدائی مصنوعات" ڈھل ڈھل کر نکل رہی ہیں۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حیاتیات کے مباحث اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہیں جتنا کہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا حیاتیات کی دو اہم شاخیں ہیں: علم حیوانات اور علم نباتات۔ مگر اصولی اعتبار سے حیوانات و نباتات کا مطالعہ دو حیثیتوں سے کیا جاتا ہے۔

۱۔ حیوانات اور نباتات کے مختلف اعضاء اور ان کی اندرونی و بیرونی ساخت اور بناوٹ کا مطالعہ۔ اس علم کو علم اشکال الاعضاء یا عضویات (MORPHO-LOGY) کہتے ہیں۔

۲۔ حیوانات و نباتات کے اعضاء کے "کاموں" یا دوسرے لفظوں میں ان کی تاثیرات کا مطالعہ۔ اس کو علم افعال الاعضاء یا فعلیات (PHYSIO-LOGY) کا نام دیا گیا ہے۔

اور اصولی حیثیت سے ان ہی دو بنیادی بحثوں میں متعدد مباحث بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نسیجیات (HISTOLOGY) اور علم معیشت حیوانات (ECOLOGY) وغیرہ۔ مختصر اور عام فہم انداز میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بیالوجی حیوانات اور نباتات کی "صورتوں" اور "سیرتوں" کے جائزے کا نام ہے۔ عضویات یا مارفالوجی میں ان کی صورتوں کا اور فعلیات یا فزیالوجی میں ان کی سیرتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے پچھلے تمام مباحث میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "الذی خلق فسوی"

(تخلیق وتسویہ) عضویات پر اور" والذی قدر فھدیٰ " (تقدیر وہدایت)
فعلیات پر مشتمل اور حاوی ہیں۔ اور اس لحاظ سے بیالوجی ہی نہیں بلکہ پورا سائنسی
لٹریچر ان دو حیرت انگیز آیات کی تفصیل نظر آتا ہے۔

حیاتیات کے ان مباحث کا جتنا جامع تذکرہ ان آیات میں مذکور ہے
اتنا جامع بیان کسی دوسرے مقام پر مذکور نہیں ہے بلکہ بعض مقامات پر ان ضوابط
کی جزئیات مختلف اندازوں میں بیان کی گئی ہیں، جیسا کہ تفصیلات پچھلے صفحات
میں گذر چکیں۔

واضح رہے کہ سائنسی مسائل ومباحث کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ وہ مسائل جو محض نظریات ہی کی حد تک محدود ہوتے ہیں اور وہ تجربے
یا مشاہدے میں نہیں آسکتے۔ بالفاظ دیگر جن کی صحت وصداقت عملی تجربوں سے
ثابت نہیں کی جاسکتی۔ تو اس قسم کے نظریات ومفروضات کی حیثیت محض
ظنی اور وہمی ہوتی ہے اور ان کی قطعیت پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ
آئے دن ان نظریات میں مسلسل تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور اس قسم کی
تبدیلیاں زیادہ تر فلکیات اور علم کائنات (COSMOLOGY) یعنی زمین
اور اجرام وسماوی وغیرہ کی پیدائش وغیرہ کے بیان میں ہوتی رہتی ہیں۔

۲۔ اس کے برعکس وہ امور اور مباحث جو عینی مشاہدات اور تجربات کے
دائرے میں آتے ہیں، ان کی حیثیت بہت بڑی حد تک یقینی اور قابل
استدلال ہوتی ہے چنانچہ طبیعات، کیمیا، حیاتیات وغیرہ کے اکثر مباحث
ایک حد تک قطعی علوم میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان علوم کے تفصیلی مطالعے سے ـــ جب کہ وہ قرآن حکیم کی ابدی آیات کی روشنی میں کیا جائے ـــ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان علوم کے کون سے مباحث قطعی ہیں اور کون سے ظنی!

دلائل آفاق اور حیاتیات

ایک اور حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حیاتیات کا مطالعہ کرنا دراصل قرآن حکیم کے منشاء و مقصد کے مطابق دلائل آفاق و انفس[۱۵۲] کا جائزہ لینے ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۙ

تمہاری خلقت اور ان جانوروں میں جن کو وہ (روئے زمین پر) پھیلاتا ہے، یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں! (جاثیہ: ۴)

---

۱۵۲ آیۂ کریمہ ـ "سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ" (ہم ان منکرین کو اپنی نشانیاں دکھا دیں گے اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی اپنی ہستیوں میں بھی) کے مطابق آفاقی دلائل وہ ہیں جو روئے زمین پر ہمارے چاروں طرف موجودات عالم کی شکل میں بکھرے ہوئے ہیں اور انفسی دلائل سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو خود انسان کے اپنے وجود اور اس کے حیاتیاتی و نفسیاتی نظاموں سے متعلق ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دلائل آفاق و انفس کی تدوین کے لئے تمام سائنسی علوم کا جائزہ لینا پڑے گا۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْہِمَا مِنْ دَآبَّۃٍ

زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور ان دونوں میں جانداروں کو پھیلانا اس کی (خصوصی) نشانیوں میں سے ہے۔ (شوریٰ : ۲۹)

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ۝ وقف

کیا انہوں نے اونٹوں کا مشاہدہ نہیں کیا کہ ان کی بناوٹ کس طرح سے کی گئی ہے۔

(غاشیہ : ۱۷)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُہَا ط

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے بلندی سے پانی برسایا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ مختلف رنگوں کے میوے نکال دیئے۔

(فاطر : ۲۷)

وَاٰیَۃٌ لَّہُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ ج اَحْیَیْنٰہَا وَاَخْرَجْنَا مِنْہَا حَبًّا فَمِنْہُ یَاْکُلُوْنَ ۝

ان منکرین کے لئے مردہ زمین ایک نشانی ہے، جس کو ہم نے زندہ کیا اور اس سے غلّے نکالے، جن کو وہ کھاتے ہیں۔

(یٰسین : ۳۳)

یہ مختلف آیات دلائل آفاق وانفس پر مشتمل ہیں جو حیوانات و

نباتات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے مطالعے ومشاہدے سے قیامت کے بھی واضح دلائل سامنے آجاتے ہیں۔ اس لحاظ سے حیاتیات کا مطالعہ بہت ضروری اور اہم ہے۔

قرآن مجید کا طرز استدلال

سورۂ اعلیٰ کی زیر بحث آیات کے معانی ومطالب کی ترتیب اور ماقبل ومابعد سے ان کا ربط وتعلق، ان آیات کی غرض وغایت اور سب سے بڑھ کر ان کا اچھوتا، دلنشیں اور سحر انگیز اسلوب بیان یہ سب ایسے امور ہیں جن سے ذوق ووجدان رقص کرنے لگتا ہے اور عقل بے ساختہ پکار اٹھتی ہے کہ یہ یقیناً کلام الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اس جیسا گہرا اور لازوال کلام پیش کرنے سے عاجز ہے۔ وہ اس جیسا کلام تو بھلا کیا پیش کر سکتا البتہ صرف اس کے اس کلام بر تر کی گہرائیاں ہی اپنے پیمانے سے ناپ لے تب بھی بہت زیادہ ہے۔

قرآن حکیم کی حکمت اور اس کے اچھوتے انداز بیان کو سمجھنے کے لئے ان آیات کریمہ کے باہمی ربط وتعلق کو سمجھنا پڑے گا۔ اس طرح یہ بات بھی واضح ہو جائیگی کہ وہ مطلوبہ سائنسی علوم کے ذریعہ انسانی دل ودماغ میں کون سی بات کس انداز میں اتارنا چاہتا ہے!

چنانچہ سب سے پہلے فرمایا گیا۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى۔
اس میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) پاکی بیان کر۔ (۲) اپنے رب کی (۳) جو بلند وبرتر ہے۔

یہ صرف اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ نوع انسانی سے خالق کائنات کا تعارف "رب" کی حیثیت سے کراتا ہے۔ اور یہ ایک منطقی تقاضہ ہے کہ خالق کائنات کی تعظیم و تقدیس اس کی ربوبیت کی بناپر کی جاتے۔ یہ عقلی دلیل بھی ہے، اور ربوبیت سے الوہیت پر استدلال بھی۔ محبت عقلی کی یہ موثر اور پرکشش دعوت دنیا کے کسی دوسرے صحیفے یا کسی اور مذہب نے پیش نہیں کی۔ دعوت کا یہ طریقہ بالکل فطری اور عقلی ہے۔ پھر اس کے بعد رب کی وضاحت فرمائی کہ اس کی پوزیشن اس کائنات کے مقابلے میں کیا ہے۔ تو پہلی بات دعویٰ کی بیان کر، ایک دعویٰ ہوا اور بقیہ دو باتیں (اپنے رب کی جو برتر ہے) اس دعوے کی عقلی دلیل ٹھہری۔ یہ عقلی دلیل اس قدر قوی اور موثر ہے کہ اس کی ربوبیت کے اثبات کے لئے محض یہ ایک ہی دلیل کافی تھی۔ مگر قرآن حکیم کے ذریعہ چونکہ اس کائنات میں نوع انسانی کو اس کی ہمہ گیر ربوبیت کے کچھ جلوے بھی دکھانا مقصود تھا، تاکہ نوع انسانی کا اعتقاد محض اس کی عقلی حیثیت ہی تک محدود نہ رہے بلکہ اس عقلی منزل سے آگے بڑھ کر عین الیقین اور حق الیقین کی منزل تک پہنچ جائے، لہٰذا اس نے اس عقلی دلیل کو بیان کرنے کے بعد "الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی" کے ذریعہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر پوری کائنات کو آفاقی و انفسی دلائل کے روپ میں انسان کے سامنے رکھ دیا کہ لو اس کی ربوبیت کی لازوال تجلیوں کا مشاہدہ کرنا ہو تو اس کائنات کے نظام تخلیق، نظام تسویہ، نظام تقدیر اور نظام ہدایت کے اندر جھانک کر دیکھ لو۔ تم کو اس کی عجیب و غریب اور حیرت انگیز ربوبیت کے جلوے صاف صاف

نظر آجائیں گے پھر تم اس کی ذات برتر کی تکذیب نہ کر سکو گے کیونکہ یہ محض عقلی دلائل نہیں بلکہ نظام فطرت کا عین مشاہدہ اور آنکھوں دیکھا حال ہے۔ علم و عقل کو کبھی کبھی جھٹلایا جا سکتا ہے مگر رویت و مشاہدہ کو جھٹلانا ممکن نہیں ہو سکتا۔

مذاہب عالم اور ان کے صحیفوں میں اس قسم کے عقلی اور آفاقی دلائل کا وجود تو در کنار یہ از کار رفتہ مذاہب ان دلائل کے تصور ہی سے خالی ہیں۔

بیالوجی کا مقصد

کائنات کا یہ جائزہ اور قوانین تخلیق و تسویہ اور تقدیر و ہدایت کا یہ مشاہدہ نہ صرف "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى" کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت ہے بلکہ یہ بیالوجی اور دیگر تمام علوم سائنس کا قرآنی و اسلامی نقطۂ نظر سے اولین مقصد اور بنیادی ہدف بھی۔ پس قرآن عظیم نہ صرف بیالوجی اور دیگر سائنسی علوم کے مطالعہ کی پرزور دعوت دیتا ہے بلکہ اس کا موضوع اور مقصد بھی متعین کرتا ہے۔ نیز وہ نہ صرف انسان کی ذہنی و فکری حیثیت کو بلند کر کے اس کی زندگی میں ایک صالح انقلاب لانا چاہتا ہے بلکہ وہ غلط افکار و نظریات پر ٹوکتا اور راہ کی صحیح سمتوں کی طرف اشارہ کر کے انسان کو اس کے مظاہر کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے سے روکتا بھی ہے۔ اور حیرت ہے کہ قرآن عظیم یہ سب کچھ محض چند گنے چنے الفاظ میں مکمل کر لیتا ہے اور ان تمام اغراض و مقاصد کا اظہار محض دو تین فقروں میں کر دیتا ہے، اس قدر جامعیت کے

ساتھ کہ اس میں کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ

پچھلے صفحات میں خلاقِ فطرت کی ربوبیت وعلویت کے دلائل اور ان کی نوعیت کا ایک مختصر سا جائزہ لیا جا چکا ہے۔ اب اجمالاً ایک اور حیثیت سے غور فرمائیے ان مخلوقاتِ الٰہی کے گوناگوں پہلوؤں اور ان کے سارے اختلافی مظاہر وخصائص کے باوجود تمام مخلوقات کے درمیان ایک حیرت انگیز قسم کا باہمی اشتراک وتعاون بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ لاکھوں مخلوقات اپنے تمام ظاہری وباطنی اختلافات کے باوجود تعاون باہمی یا کوآپریٹو سسٹم کا حیران کن منظر پیش کر رہے ہیں۔ اس کے پیش نظر کائنات کے تمام انواعِ حیات گویا کہ اس عظیم مشین کے کل پرزے ہیں۔ ان کے آپس کے تعاون واشتراک کے بغیر یہ مشین ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔ اگر اس مشین کا کوئی صانع وخالق اور مدبر ومنظم نہ ہوتا تو پھر ناممکن تھا کہ اس حیرت انگیز نظم وضبط کا آپ سے آپ مظاہرہ ہو جاتا اور بغیر کسی میکانک یا ڈرائیور کے اس کے سارے پرزے آپ سے آپ خود ہی جڑ جاتے اور آپ سے آپ خود ہی حرکت میں آجاتے۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ مہمل اور خلافِ واقعہ کوئی اور بات نہیں ہو سکتی۔ ایک چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر چیز بھی کسی صانع اور کاریگر کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی تو پھر اس کا تصور بھی محال ہے کہ اتنی بڑی کائنات مع اس کے لاکھوں مظاہر اور حیرت انگیز نظم وضبط کے خودبخود وجود میں آگئی ہوگی

لہذا اس کائنات کے مطالعے ومشاہدے سے اولین طور پر ایک خلاق وفعال ہستی کا تصور ذہن میں آتا ہے۔

ربّ اعلیٰ

پھر صانع اپنی صنعت سے پہچانا جاتا ہے کہ بمصداق کائنات اور اس کے مظاہر میں خالق کائنات کی حُسن کاریگری اور اس کی نفیس اور بے مثال صنعت کے بے شمار اور ان گنت نمونے بکھرے ہوئے ہیں جو اس کی علویت و برتری کی علی الاعلان شہادت دے رہے ہیں۔

اور اس موقع پر خلاق عالم کی ربوبیت و برتری کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو انواع حیات اور دیگر موجودات کے اعتبار سے۔ اور دوسرے خود اجرام سماوی اور ان کے نظام کے اعتبار سے۔ وہ جس طرح اجرام سماوی میں موجود شدہ مخلوقات کی نگرانی اور دیکھ بھال کر رہا ہے اسی طرح وہ خود ان اجرام کی بھی نگرانی و نگہبانی کر رہا ہے۔ پس اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کی عظمت وہمہ گیری کے چند مزید پہلو سامنے آتے ہیں جو کروڑوں اربوں سیاروں، ستاروں اور کہکشاؤں کو کنٹرول کر رہا ہے اور ہر ایک کو منظم ضوابط و قوانین کا پابند بناتے ہوتے ہے۔ کسی بھی جرم فلکی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اپنے قانون اور ضابطے سے ذرا بھی ہٹ سکے۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ ہر ایک اپنے دائرہ میں تیر رہا ہے۔ (انبیاء : ۳۳)

ذرا تصوّر تو فرمائیے کہ اس وسیع و بیکراں کائنات اور اس کی لامحدود وسعتوں میں ہمارے سیارے جیسے کتنے سیارے، ہمارے سورج جیسے کتنے ستارے اور ہماری کہکشاں جیسی کتنی کہکشائیں ہوں گی! ایک موٹے اندازے کے مطابق ایک کہکشانی سلسلے میں کم ازکم ایک کھرب ستارے (ہمارے سورج جیسے) ہوتے ہیں۔ جب کہ ہماری کائنات میں خود کہکشائیں ہی اربوں کی تعداد میں ہیں۔ یہ ستارے، سیارے اور کہکشائیں اس قدر دور دراز فاصلوں پر واقع ہیں کہ اس پر مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا ہے بلکہ ان ہوشربا اعداد کے ملاحظے سے سر چکرانے لگ جاتا ہے۔

یہ لاتعداد اجرام سماوی ـــــ جن کی صحیح تعداد خدا ہی بہتر جانتا ہے ـــ نہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور نہ اپنے مداروں اور راستوں سے ذرا بھی بھٹک سکتے ہیں۔

ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ یہ ہے منصوبہ ایک زبردست اور ہمہ داں ہستی کا۔ (حٰم سجدہ)

کوئی ٹھکانہ ہے اس کی لامحدود قوتوں اور بے انتہا قدرت کا! بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس کی علویت و برتری کا صحیح تصور بھی ہمارے محدود ذہن میں آنا مشکل ہے۔ وہ بلند و برتر خلاق عالم جس نے مادی اجزاء و عناصر میں اتنی حیران کن توانائی (جوہری قوت) رکھ دی ہے جو پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے، دریاؤں کا رخ موڑ سکتی ہے اور پورے کرۂ ارض کو تہہ و بالا کر سکتی ہے۔ فرض کیجیے کہ اگر اس پوری کائنات کے تمام مادّے کو ـــ کل اجرام سماوی سمیت ـــ ایٹمی قوت یا جوہری توانائی میں تبدیل کر دیا جائے تو اس پورے مجموعے سے کس قدر عظیم قوت حاصل ہوگی کیا اس کا کوئی صحیح اندازہ و تخمینہ لگانا

ممکن ہے! آئن سٹائن کے فارمولے $E = MC^2$ کے مطابق محض ایک پونڈ وزنی مادے کو جوہری توانائی میں تبدیل کرنے سے اتنی توانائی حاصل ہوتی ہے جتنی کہ دو ارب اسی کروڑ پونڈ کوئلہ جلانے کے بعد پیدا ہو سکتی ہے۔ اس حساب سے اب سوچنے کی بات ہے کہ وہ ذات برتر جس نے اپنی تخلیقات میں اس قدر قوت و توانائی رکھ چھوڑی ہو وہ خود کس قدر عجیب و غریب اور حیرت انگیز قوت کی مالک ہوگی! کیا کوئی اس بات کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ جس ہستی نے اپنی مخلوق میں اس قدر قوت رکھ دی ہے وہ خود قوت سے عاری ہوگا! ظاہر ہے کہ قوت کو وجود میں لانے کے لئے قوت ضروری ہوتی ہے اور خالق کی قوت ہمیشہ مخلوق کی قوت سے بلند و برتر ہی ہو سکتی ہے۔ پھر کوئی کاریگر جو کسی مشین کو بنا سکتا ہے وہ اس کو توڑ بھی سکتا ہے۔ اور توڑ کر بنا بھی سکتا ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا خدائے ذوالجلال کی صفات عزیز، غالب، علیؒ، قدیر، جبار، متکبر، قہار، متعال اور اعلیٰ وغیرہ بہت سے الفاظ کے ساتھ متصف کی گئی ہیں۔ مگر یہ سارے الفاظ اور صفات انسانی بول چال اور انسانی پیمانے کے لحاظ سے ہیں۔ اور خدائے ذوالجلال کی صحیح عظمت اور اس کی بزرگی کو سمجھنے کے لئے یہ تمام الفاظ محض ایک محدود تصور ہی کا کام دیتے ہیں نہ کہ اصل پیمانوں کا۔ حقیقت یہ ہے کہ نقاش فطرت کی صحیح عظمت و برتری کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں اور نہ اس کا ظرف و تنگنائے اس کی وسعتوں کا متحمل ہو سکتا ہے۔

غرض اس موقع پر "رب" کی صفت "اعلیٰ" (سب سے اونچا)

لاکر نوع انسانی کو اس بات کا احساس دلا دیا کہ وہ ذات برتر بلندی و علویت کے اس آخری نقطہ سے بھی آگے ہے جس کا انسان تصور کر سکتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ معرفت کی اصل اعترافِ عجز ہی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس بلند ترین تصور کی حقیقت مطالعۂ کائنات اور اوراق فطرت کو الٹنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے :

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط	اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا صحیح) علم رکھنے والے ہوں۔ (فاطر: ۲۸)

رَبّ

چونکہ یہ سارا نظام اور یہ سارا کارخانۂ حیات بطور ایک اکائی یا یونٹ ایک عالمگیر نظامِ ربوبیت کے ماتحت چل رہا ہے، لہٰذا وہی اس پوری کائنات کا رب ہے۔ اور وہ جس طرح مختلف اشیاء و مظاہر کا رب ہے اسی طرح وہ سماوات اور تمام اجرامِ سماوی کا بھی رب ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ط	وہ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ (فضائی و خلائی مظاہر) موجود ہیں اور سورج کے مقاماتِ طلوع سب کا رب ہے۔ (صافات: ۵)

"رب" کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو درجہ بدرجہ حد کمال تک پہنچانا[1] اور یہ مفہوم جدید سائنسی علوم کی روشنی میں عالم حیوانات و نباتات پر جس طرح صادق آتا ہے اسی طرح خود عالم جمادات اور عالم سماوات پر بھی پوری طرح صادق آتا ہے۔ تفصیلات کے لئے دفتروں کے دفتر درکار ہیں۔

بہرحال رب وہ ہے جو زیر بحث نظام تخلیق اور تسویہ اور تقدیر و ہدایت کے مطابق ایک ننھے سے ایٹم سے لے کر نظام شمسی کے سیاروں تک تمام مخلوقات کو ان کے فطری و طبعی ضوابط کے مطابق نشوونما دینے والا اور ہر ایک کو بتدریج حد کمال تک پہنچانے والا ہو۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تمام مخلوقات اس کے محتاج اور دست نگر نظر آتے ہیں وہ سب پر غالب اور حکمراں دکھائی دیتا ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝

جو کچھ زمین و آسمانوں میں ہے سب کا مالک وہی ہے اور سب اس کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں۔ (روم: ۲۶)

فطرت کی نغمہ سرائی

جب خدائے برتر کی ربوبیت ثابت ہوگئی تو پھر لامحالہ اس کی الوہیت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ یعنی صرف اسی ایک ہستی کو عبادت و بندگی کے لائق تصور کرتے ہوئے اس کی بارگاہ قدس میں سر عبودیت جھکا دینا اور اپنی،

---

[1] هو انشاء الشيء حالاً فحالاً الى حد التمام (مفردات القرآن، ص ۱۸۴)

عبدیت اور عجز و نارسائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی مدح سرائی کرنا۔

لہٰذا قرآن حکیم کا فطری طریقۂ تعلیم یہ ہے کہ ہم کو ایسے اعلیٰ وافضل پروردگار عالم کے حضور میں اپنا سرِ نیاز جھکا کر اس کی حمد و ثنا کے گیت گانا چاہیئے۔ اور ان گیتوں میں سب سے اچھا گیت اور نغمہ وہ ہے جو ان آیات پاک کے بمصداق صحیفۂ فطرت کے مطالعے اور اس کی ورق گردانی کے بعد حاصل ہوتا ہے جو محض عقلی و منطقی ہی نہیں بلکہ مشاہدۂ فطرت کی بنا پر وجدانی وجذباتی بن کر دل کی گہرائیوں سے پھوٹ نکلنے والا ہوتا ہے جو خود بخود " سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی "

(میرا رب ہمہ قسم کی آلودگیوں سے پاک اور سب سے اعلیٰ ہے)

کے قالب میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمزمۂ ایمان ویقین کو اسلام نے نشانِ عبدیت کا منتہائے معراج قرار دے کر نماز پنجگانہ کا جزو لاینفک بنا دیا اور بارگاہ رب العزت میں نغمہ سرائی کے لئے اس ولولہ انگیز گیت کو سندِ قبولیت سے نوازا۔ اور عقلی حیثیت سے بھی اس کلمۂ حمد و ثنا کا یہ صحیح مقام ہے۔ نیز یہ بھی ایک عجیب حقیقت ہے کہ قرآن نے شروع ہی میں جو دعویٰ (سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلٰی) کی شکل میں کیا تھا وہی دعوی صحیفۂ فطرت کے مطالعے کے نتیجے میں (سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی) کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہ قرآن مجید کے فطری صحیفۂ خداوندی اور اسلام کے فطری مذہب ہونے کی بھی ایک بہت روشن اور بیّن دلیل ہے۔

اسلام کا تصوّرِ ربوبیت اور اس کی ہمہ گیری

یہ تھی ربوبیت کی حقیقت اور اس کی بصیرت افروز داستان، جس کا صحیح اور حقیقی تصور اس کائنات گیتی میں صرف اسلام ہی پیش کرتا ہے اور دنیا کا کوئی مذہب اس کی اس امتیازی خصوصیت میں اس کا شریک نہیں بن سکتا۔ اسلام کی تو ہر بات فطری اور نرالی ہوتی ہے اور اس کی ہر ادا سے حقیقت پسندی اور الوہیت نمایاں ہوتی ہے۔ غرض اس کی دعوت اول سے آخر تک ربوبیت ہی پر مشتمل نظر آتی ہے اور نوع انسانی سے اس کے خالق و مالک کا سب سے پہلا اور اولین تعارف بھی "رب" ہی کی حیثیت سے کرایا گیا ہے، جو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (تعریف کا اصل مستحق اللہ ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے) کی شکل میں کلام ربانی کا سرنامہ اور اس کتاب حکمت کی پیشانی کا نور بن کر چمک رہا ہے۔

دعوت اسلامی کی یہ نوعیت بالکل عقلی و فطری اور ہر اعتبار سے سائنٹفک ہے۔ اس کے برعکس مسیحیت نے انسان اور خالق کائنات کے تعلق کی وضاحت کے لئے "باپ اور بیٹے" کا تصور پیش کیا ہے۔ مسیحیت کے اس تصوّر اور اس کے بنیادی اعتقاد سے پیدا ہونے والی بہت ساری خرابیوں سے قطع نظر اس کا یہ تصورِ "اب" (باپ کا تصور) بہت ہی ناقص اور محدود ہے بلکہ اس کا اطلاق صرف طبقہ انسانی ہی پر ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا قوی ترین تصوّر "رب" آفاقی اور ہمہ گیر ہے، جس میں دنیا کے سارے انواع اور کل موجودات

حتیٰ کہ تمام اجرام سماوی تک آجاتے ہیں۔ چنانچہ رب (ربوبیت) کے معنی جیسا کہ تفصیل گذر چکی کسی چیز کو بتدریج درجۂ کمال تک پہنچانے کے ہیں۔ اس لحاظ سے دنیا کی کوئی بھی چیز اور اس عالم رنگ بو کا کوئی بھی مظہر دائرہ ربوبیت سے باہر نہیں ہے، خواہ وہ ایک ننھا سا ایٹم ہو یا ایک بڑے سے بڑا آسمانی کرہ، ایک حقیر سا حشرہ اور پتنگا ہو یا ایک بڑے سے بڑا ہاتھی اور وہیل وغیرہ، یہ تمام مظاہر فطرت ربوبیت ہی کے ماتحت رواں دواں ہیں اور اس کی ہمہ گیر نگرانی اور دیکھ بھال ہی کے تحت درجۂ کمال کو پہنچ رہے ہیں۔ وہی ایک ذات برتر ہے جو تمام کا رب اور ناظم اعلیٰ ہے۔

غرض اسلام کا تصورِ ربوبیت بہت ہی جامع ومانع، ہمہ گیر اور مبنی برحقیقت ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝	وہ (تمام) اجرام سماوی اور زمین اور ان دونوں کے درمیانی مظاہر (فضاؤں اور خلاؤں اور ان کی تمام نیرنگیوں) کا رب ہے۔ وہ نہایت زبردست اور بہت بخشنے والا ہے۔ (ص: ۶۶)
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو رب ہے آسمانوں کا زمین کا اور سارے جہانوں کا۔ (جاثیہ: ۳۶)

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ :-	میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں (سورج کے طلوع و غروب کے مختلف مقامات کے رب کی۔ (معارج : ۴۰)
قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط	فرمایا کہ وہ مشرق اور مغرب اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ بھی ہے (تمام مظاہر) کا رب ہے (شعراء: ۲۸)
وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ط	اور وہ ہر چیز کا رب ہے (انعام: ۱۶۴)

اسلام کی پیش کردہ اس ربوبیت کی حقیقت اور اس کی صحیح نوعیت جدید سائنسی علوم کی روشنی میں پوری طرح واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور حیاتیات (بیالوجی) کے مطالعہ سے ربوبیت کے حیرت انگیز کرشمے اور خصوصیت کے ساتھ مخلوق پروری کے بہت سے بصیرت افروز پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس حیثیت سے دیکھا جائے تو اسلام کے پیش کردہ تصور ربوبیت کے صحیح جائزے کے لئے سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ بیالوجی کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔

جوامع الکلم

یہ چند ملاحظات تھے جو میں نے اپنے ناقص علم کے مطابق چند اُصول و کلیات کی شکل میں الٹے سیدھے جیسے بھی بن پڑا بیان کر دیئے۔ ورنہ کلام الٰہی کے تمام معارف اور اس کی ساری حکمتوں کو سمجھ جانا انسان کے بس کی بات نہیں

اور نہ کوئی اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ ہاں حسب ظرف اس کے موتیوں سے اپنا
دامن بھر سکتا ہے، مگر شکایت پھر بھی تنگیٔ داماں ہی کی رہے گی۔

غرض یہ چند مختصر ترین آیات کریمہ بیک وقت کائنات اور اس کی ماہیت
کی کہانی بھی سنا رہی ہیں اور خالق کائنات کی ہمہ گیر ربوبیت کی داستان بھی۔
ان آیات میں انسان کی پوزیشن بھی بیان کر دی گئی ہے اور رب کائنات کے
ساتھ اس کا تعلق بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ ان میں مطالعہ کائنات کی دعوت بھی
موجود ہے اور نظام کائنات میں جاری و ساری قوانین و ضوابط کا تذکرہ بھی ــــ
مطالعۂ فطرت کی غرض و غایت پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے اور غلط افکار و نظریات
پر تنبیہہ کر کے نشان راہ بھی دکھا دیا گیا ہے۔ انسان کو خلاق فطرت اور رب کریم
کی اطاعت اور بندگی کی دعوت بھی دی گئی ہے اور اس کے دلائل بھی واضح کر دیئے
گئے ہیں۔ خلاق عالم کی حقیقت بھی ظاہر کر دی گئی ہے اور اس کی حیرت انگیز
صفات کا تذکرہ بھی۔ مادیت کی بھرپور تردید بھی کر دی گئی ہے اور مشرکین کا
ابطال بھی۔ عقلی دلائل بھی بیان کر دیئے گئے ہیں اور آفاقی و انفسی آیات کا
تذکرہ بھی۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان ہی مختصر آیات میں رسالت اور
معاد کا تذکرہ اور ان کا اثبات بھی ہے جیسا کہ مابعد کے دلائل اس مقصد کو
واضح کر رہے ہیں۔ غرض اصولاً وہ کون سی بنیادی حقیقت ہے جو ان (سَبِّحِ
اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى) چودہ
گنے چنے الفاظ سے چھوٹ گئی ہو یا درج ہونے سے رہ گئی ہو! بلکہ اس میں
تو دین بھی آ گیا اور دنیا بھی۔ بلکہ ان دونوں کی باہمی آمیزش کا ایک نہایت

ہی دلکش وجامع تصوّر بھی۔

پھر مجموعی حیثیت سے یہ ایک عظیم دعویٰ بھی ہے اور اس دعوے کے ثبوت میں خود ہی عقل وفطرت کے بے شمار اور ناقابل تردید دلائل کا مجموعہ بھی۔ پھر یہ چودہ اور صرف چودہ الفاظ اپنی ترکیب وترتیب کے اعتبار سے اظہار بیان کا ایک حسین اور لاجواب اسلوب اور عقلی وسائنٹفک طرز ادا کا اچھوتا اور سحر انگیز نمونہ، رنگا رنگ کلیوں کا ایک مہکتا ہوا گلدستہ اور سب سے بڑھ کر ایک لازوال مذہبی نغمہ سرمدی کا روپ دھار کر پورے عالم انسانی کو مبہوت وششدر کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے فصحاء اور بلغاء بلکہ پوری نوع انسانی ہر دور میں اس کلام پاک کا معارضہ کرنے اور اس جیسے کلام کی کوئی مثال پیش کرنے سے عاجز اور بے بس رہی ہے۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○	کہہ دو کہ اس جیسے قرآن کی مثال لانے پر اگر تمام جن وانس بھی متحد ہو جائیں تب بھی وہ اس جیسا کلام نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔ (اسراء: ۸۸)

کلام الٰہی کی یہ نیرنگیاں اور اس کے اچھوتے، انمول اور بے مثال جواہر پارے کیا کسی انسانی کلام میں بھی مل سکتے ہیں؟ یہ ہے کلام انسانی اور کلام ربانی کا فرق وامتیاز! یہی مطلب ہے قرآن حکیم کے "جوامع الکلام" ہونے کا۔

یعنی ایسا کلام جو مختصر ترین ہونے کے باوجود اس میں حقائق و معارف کے پورے پورے ابواب سمیٹ دیئے گئے ہیں اور وہ صحیح اور واقعی معنی میں دریا بکوزے کا مصداق ہو۔

چنانچہ مسلم شریف کی جو حدیث خصائص نبوت محمدی صلعم کی وضاحت میں وارد ہوئی ہے اس میں قرآن حکیم کا "جوامع الکلم" ہونا بھی ایک اہم خصوصیت شمار کیا گیا ہے جو خصائص نبوت میں گویا کہ سرفہرست ہے:

عَنْ أبی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: فضلت علی الأنبیاء بست: أعطیت جوامع الکلم، ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم، وجعلت الأرض طھوراً ومسجداً، وارسلت الی الخلق کافۃً، وختم بی النبیون:

ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دیگر (تمام) انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں (۲) مجھے رعب و دبدبہ (دشمنوں کے خلاف) دیا گیا ہے (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے۔ (۴) پوری زمین پاک اور سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے (۵) پوری نوع انسانی کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ (۶) میرے ذریعے نبیوں کا آنا بند کر دیا گیا ہے یعنی مجھ پر سلسلہ

نبوت ختم کردیا گیا ہے۔ [۵۴]

امام نووی نے جوامع الکلم کا مصداق قرآن کے علاوہ حدیث کو بھی قرار دیا ہے۔

قال الھروی یعنی بہ القرآن جمع اللہ تعالیٰ فی الألفاظ الیسیرۃ منہ المعانی الکثیرۃ وکلامہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجوامع قلیل اللفظ کثیر المعانی۔ [۵۵]

یعنی ہروی کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند مختصر الفاظ میں بہت سے معانی ودلیعت کر دیئے ہیں۔ اور رسول اللہ صلعم کا کلام بھی مختصر الفاظ اور کثیر معنی پر مشتمل ہے۔

صفات الٰہی کی جلوہ نمائیاں

اب "جوامع الکلم" کا ایک اور اعجاز اور کلمات ربانی کی جادوگری کا ایک اور نظارہ بھی ملاحظہ کرتے چلئے کہ ان چودہ الفاظ میں معانی ومطالب کے کیسے کیسے بحر زخار موجزن ہیں اور غور وفکر کرنے کے باعث کیسے کیسے اسرار ومعارف نمایاں ہوتے ہیں اس کا بھی ایک مشاہدہ ہوجائے۔

ان آیات (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی الَّذِی خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِی قَدَّرَ فَھَدٰی) میں چودہ الفاظ پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

---

[۵۴] صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔

[۵۵] صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۱۹۹ رشیدیہ دہلی، ۱۳۷۶ھ

(۱) سبح (۲) اسم (۳) رب (۴) ک (۵) الاعلی (۶) الذی (۷) خلق (۸) ف (۹) سوی (۱۰) و (۱۱) الذی (۱۲) قدر (۱۳) ف (۱۴) ہدیٰ۔

ان چودہ الفاظ میں سے چھ حروف اور اسمائے ضمائر وغیرہ ہونے کی وجہ سے غیر اہم ہیں۔ اور بقیہ آٹھ الفاظ اسماء وافعال ہونے کی وجہ سے نہایت درجہ اہم ہیں جن کی ترتیب اس طرح ہے:

۱۔ سبح ———— سُبحانیت

۲۔ اسم ———— سُمویت

۳۔ رب ———— رُبوبیت

۴۔ اعلیٰ ———— عُلویت

۵۔ خلق ———— تخلیق

۶۔ سوّی ———— تسویہ

۷۔ قدر ———— تقدیر

۸۔ ہدیٰ ———— ہدایت

پہلے چار الفاظ خالق سے متعلق ہیں اور بعد کے چار الفاظ مخلوق سے متعلق۔ مگر جو الفاظ مخلوق سے متعلق ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو دراصل وہ بھی خالق برتر ہی کی صفات نظر آئیں گی۔ یعنی تخلیق، تسویہ، تقدیر وہدایت جو مخلوقات سے متعلق ہیں وہ دراصل خالق ہی سے متعلق ہیں یعنی خلق سے خالق، تسویہ سے مُسوّی، تقدیر سے مقدِّر اور ہدایت سے ہادی ہونے کی بنا پر خلّاق فطرت ہی کی صفات عالیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ آٹھوں الفاظ تمام

کے تمام — خالق ہی سے متعلق ٹھہرے۔ گویا کہ اول و آخر خالق ہی کا بیان ہے اور ہر سُو اسی کے کرشمے نظر آرہے ہیں۔ ھوالاول والآخر۔

ایک دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ پہلے چار الفاظ اللہ جل جلالہ کی صفات عالیہ ہیں اور بقیہ چار الفاظ اس کے صفات کمالیہ۔ بالفاظ دیگر پہلی چار چیزیں (سبحانیت، سُمویت، ربوبیت، اور علویت) گویا کہ چار مجرد دعوے ہیں اور بقیہ چار چیزیں (تخلیق و تسویہ اور تقدیر و ہدایت) ان دعوؤں کی دلیلیں۔ اور بنی نوع انسان کو دعوت یہ دی جارہی ہے کہ اس کی صفات عالیہ کا مشاہدہ کرنا ہو تو محض اس کے افعال کو دیکھو تو تمہارے علم و یقین میں اضافہ ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ نقاش فطرت کی صنعت و کاریگری کے بے شمار نمونے مختلف مخلوقات و موجودات کی شکل میں ہمارے سامنے بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کے حُسن، بے مثال کاریگری، نفاست و نزاکت اور استحکام کے جائزے سے خالق برتر کی عظمت و جلال کے نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں۔

مخلوقات الٰہی کے جائزے اور ان کے تفصیلی مطالعے و مشاہدے ہی کا نام سائنس ہے اور ایک مسلمان کی نظر میں علوم سائنس کی تحصیل کا اہم اور بنیادی مقصد بس یہی ہونا چاہیئے جس کی طرف خود قرآن مجید رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن اور کائنات کی مطابقت

قرآن مجید اور صحیفۂ فطرت کے مطالعے کا یہ بھی ایک عجیب و غریب پہلو ہے کہ ان دونوں میں متعدد حیثیتوں سے کامل مطابقت و یکسانیت پائی

جاتی ہے۔ مثلاً جس طرح مختلف مادی عناصر (ELEMENTS) اور ان سے مرکب شدہ سالمات (MOLECULES) کے حیران کن احوال و کوائف کے باعث انسان کو ایک عجیب طرح کی بے چارگی کا احساس ہوتا ہے اور اس کی عقل بالکل چکرا جاتی ہے اسی طرح کتاب الٰہی اور کلام ربانی کے منتخب الفاظ، ان کی ترتیب و نشست، ان کے آپس کے ربط و تعلق اور ان کے مالہ و ماعلیہ سے بھی عقل انسانی اسی طرح چکرا جاتی ہے اور وہ احساس درماندگی سے دوچار ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر جس خلاق فطرت کے پیدا کردہ (MATTER) اور اس کے عناصر کی بوقلمونیوں کے ملاحظے سے انسان دہشت زدہ ہو جاتا ہے اسی طرح صانع عالم کے کلام برتر کی نیرنگیوں کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ کوئی مبالغہ یا شاعری نہیں بلکہ ایک بیّن حقیقت اور آفاقی صداقت ہے جس کا نظارہ اہل بصیرت ہی کر سکتے ہیں جو ان دونوں علوم سے پوری طرح بہرہ ور ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم جس طرح کلام الٰہی ہے اسی طرح یہ پوری کائنات اور اس کے مظاہر اللہ تعالیٰ کی صفت خلاقیت کے مظہر اور اس کے نمائندہ ہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں کسی قسم کا تعارض و تضاد کس طرح ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایک اور حیثیت سے دیکھئے تو نظر آئے گا کہ قرآن دانی کے لئے جس طرح الفاظ کی ترتیب و نشست، ان کے باہمی ربط و تعلق اور ان کے مالہ و ماعلیہ کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے، جس کے بغیر قرآنی اسرار و معارف واضح نہیں ہوتے، اسی طرح مادی مظاہر و ظواہر کو سمجھنے کے لئے ان کی ساخت و پرداخت،

ان کے اجزا و عناصر، ان کے سالمات و مرکبات اوران کے خواص و تاثیرات وغیرہ کا بھی دقّتِ نظر سے مشاہدہ کرنا پڑتا ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی صفتِ خلاقیت اور حکمت تخلیق کا حال آشکارا نہیں ہوسکتا۔ ا ر ان دونوں کی تطبیق و ہمنوائی سے اسرار و معارف کے دروازے کھل جاتے ہیں اور عرفان الٰہی کی بارش ہونے لگتی ہے جو کہ اصل مطلوب و مقصود ہے۔

سورۂ اعلیٰ کی عظمت

ایک عظیم سورت کی یہ چند عظیم آیتیں تھیں جن کی میں نے بالکل مختصر سی تشریح کرنے اور چند اہم اصول و کلیات کے بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے پہلو ایسے ہیں کہ میں نے انہیں طوالت کے خوف سے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ یہ مضمون اس کا متحمل نہیں تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان چودہ الفاظ کی تفصیل صحیح معنی میں چودہ ہزار یا چودہ لاکھ دفتروں میں بھی نہیں سما سکتی کیونکہ جیسا کہ عرض کیا جاچکا، ان آیات کریمہ کو عنوان بنا کر تمام سائنسی علوم و فنون اور لاکھوں انواع حیات اوران کی تمام نوعی خصوصیات (ہر ہر نوع کی جزئی تفصیلات وغیرہ) کو ان کی تفصیل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ نیز اسی طرح ہمارے نظام شمسی جیسے اربوں کھربوں بلکہ لاتعداد اجرام (جن کی صحیح گنتی صرف خدائے جل وعلا ہی جانتا ہے) کے طبعی احوال و کوائف وغیرہ بھی ان آیات کی تفسیر میں سما سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان آیات کی مکمل تفسیر نہ کسی انسان کے بس کی بات ہے اور نہ دنیا بھر کے تمام دفتر اس کے متحمل ہی ہوسکتے ہیں۔

لہذا حسب ذیل ارشاد ربانی میں ذرا بھی مبالغہ نظر نہیں آتا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝

کہہ دو کہ اگر میرے رب کے کلمات (کی تفصیل) کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے ہی اس سمندر کی روشنائی ختم ہو جائے گی، اگرچہ ہم اس کی مدد کے لئے اس جیسا ایک اور سمندر لے آئیں۔ (کہف: ۱۰۹)

آج سائنس کی بے انتہا ترقی کی بدولت اس قسم کی آیات کے مفہوم کو سمجھنا ہمارے لئے بہت آسان ہو گیا ہے مگر اب سے چودہ سو سال پہلے جب کہ کائنات کا بہت ہی پست اور محدود تصور تھا اس وقت ایک امی کی زبان سے اس قسم کا حقیقت افروز دعوی کرا دینا یقیناً ایک علام الغیوب ہستی ہی کا فعل ہو سکتا ہے۔ اور آج قرآن کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں خارجی اور تاریخی دلائل و شواہد کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی، بلکہ اس کے اس قسم کے داخلی شواہد ہی اس کی صداقت کی بیّن دلیل کی حیثیت سے بہت کافی و شافی ہیں۔

بہر حال غالباً یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ اعلیٰ بہت ہی محبوب تھی اور جیسا کہ بخاری، مسلم اور مسند احمد کی مختلف روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ مختلف نمازوں میں اس سورہ کو نہ صرف خود پڑھا کرتے تھے بلکہ صحابہ کرام کو بھی اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ ۵۶ھ

نیز مسند احمد میں عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جب (سورۂ واقعہ کی) یہ آیت "فسبّح باسم ربّك العظیم" نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس کو اپنے رکوع میں کر لو (یعنی رکوع میں یہ پڑھا کرو) پھر جب "سبّح اسم ربّك الاعلیٰ" نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے سجدوں میں کر لو۔ یعنی سجدہ کی حالت میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا کرو۔ [۵۵]

فطرت و شریعت کا مشترکہ نغمہ

مسلمان اپنی پنجوقتہ نمازوں میں ان ابدی و سرمدی ترانوں (سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ) کے ذریعہ خالق کائنات کی جو حمد و ثنا کرتے ہیں وہ پورے نظام فطرت اور اس کی نغمہ سرائی سے ہم آہنگی کا ثبوت ہے۔ بالفاظ دیگر کائنات کا ایک ایک ذرہ اہل اسلام کی فطری عبادت اور ان کے طرز تسبیح کا مؤید ہے بلکہ وہ خود بھی ان کا ہم ساز و دم ساز بن کر ان کے سُر میں اپنا سُر ملا رہا ہے۔ کیونکہ ان آیات اور ان کے الفاظ و کلمات کی ترتیب اور ان کے سیاق و سباق سے یہی منطقی نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام موجودات عالم ــ جو تخلیق و تسویہ اور تقدیر و ہدایت کی صفات سے متصف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل یا "ذکر الٰہی" میں لگے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اس اصول کی وضاحت دیگر مواقع پر اس طرح ملتی ہے۔

---

[۵۶] ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ۴/ ۴۹۹

[۵۵] ایضاً۔ ۴/ ۴۹۹۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ٥

زمین اور آسمانوں میں جتنی بھی چیزیں ہیں سب اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، وہی (سارے جہاں کا) بادشاہ، نقائص سے پاک، زبردست اور حکمت والا ہے۔ (جمعہ : ۱)

اگر مظاہر کائنات کا دل چیر کر دیکھا جائے تو ان کی گہرائیوں اور ان کے ہر بُن مُو سے اپنے خالق و مالک ہی کی تسبیح و تہلیل کی صدائیں بلند ہوتی نظر آئیں گی۔ ہو سکتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ ان کی زبان حال کے ساتھ ساتھ ان کی زبان قال بھی ہو، جس کا اس وقت ہم کو کوئی شعور نہیں ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط

اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو (اس وقت) نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل : ۴۴)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ط

کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ جو بھی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہیں اور پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے۔ ہر (نوع) اپنی صلاۃ (اداءِ بندگی عبادت کا طریقہ) اور تسبیح خوب جانتی ہے۔ (نور : ۴۱)

سائنسی نقطہ نظر سے مظاہر کائنات کی زبان قال کے وجود کی حقیقت ابھی علمی دنیا سے مستور ہے۔ ہوسکتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ زمانہ مستقبل کی سائنسی تحقیقات کسی دن اس مستور حقیقت کو پوری طرح ظاہر و باہر کر دے۔ ابھی ماضی قریب میں ہندوستان کے ایک مایۂ ناز سائنس داں سر جگدیش چندر بوس نے حیوانات ہی کی طرح نباتات میں بھی احساس و ادراک اور رنج و راحت وغیرہ جذبات کے پائے جانے کا انکشاف اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں کر کے پوری علمی اور سائنسی دنیا کو چونکا دیا ہے[۶۵] اور اب آہستہ آہستہ اس سلسلے میں مزید تحقیقات ہو رہی ہیں۔

خلاصہ بحث

ان تمام حقائق سے یہ حقیقت سورج کی طرح روشن ہو گئی کہ حیاتیات اور دیگر سائنسی علوم کا تعلق ان آیات کریمہ سے کس قدر گہرا ہے! نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ان علوم کی تحصیل کے بغیر یہ اور قسم کی دیگر آیات کریمہ کو علی وجہ البصیرت سمجھنا اور جدید ذہن کے مطابق ان کی تفسیر کرنا ممکن نہیں ہے۔

نیز ان علوم کی تحصیل اور ان کے پیش نظر قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر سے ہمیں حسب ذیل خصوصی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

---

[۶۵] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب Great men of India میں سر جگدیش چندر بوس سے متعلق پروفیسر جے سی گھوش کا مقالہ۔

۱۔ الحاد و لادینیت کے خلاف علمی و سائنٹفک دلائل فراہم کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ مثلاً سائنسی علوم اور ان کے مباحث میں بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں جہاں پر ظاہری اسباب و علل کی کوئی توجیہہ نہیں ہو سکتی اور مجبوراً ایک مسبب الاسباب اور ان دیکھی ہستی کی کارفرمائی تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ تو ایسے تمام مواقع کی نشاندہی قرآنی اشارات و کنایات کی رہنمائی اور جدید سائنسی علوم کی روشنی میں کر کے الحاد و مادیت کا رد کیا جائے جیسا کہ خود ارشاد باری ہے:

وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ	اور زمین و آسمانوں میں کتنی ہی
وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ	ایسی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ
عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝	لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے
	ہیں۔ (یوسف: ۱۰۵)

۲۔ حیوانات و نباتات کی "صورتوں اور سیرتوں" کے مطالعے سے "صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ" (یہ اللہ کی کاریگری ہے کہ اس نے ہر چیز کو مضبوط و مستحکم کیا ہے) اور "اَلَّذِيْ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ" (اس نے جو بھی بنایا خوب بنایا) کے مطابق اس کی حسن کاریگری اور حکمت تخلیق کے آفاقی اور روح پرور نظارے سامنے آتے ہیں، جن کے ذریعے اس کے جاری کردہ نظام ربوبیت کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

۳۔ دلائل آفاق و انفس کی تدوین ممکن ہو جاتی ہے۔ جس کے ذریعہ ایک طرف قرآن حکیم کی حقانیت اور اس کے بیانات کی صداقت واضح ہوتی ہے تو دوسری طرف منکرین و معاندین کے شکوک و شبہات اور ان کے

اعتراضات کا جواب بھی مہیا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ہر قسم کے شرک و مظاہر پرستی اور الحاد و مادیت وغیرہ کا بھی قلع قمع ہو جاتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کریمہ کا:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط	ہم عنقریب اپنی نشانیاں ان کو ان کے گرد و نواح میں بھی دکھا دیں گے اور خود ان کی اپنی ہستیوں میں بھی تاآنکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ کلام برحق ہے۔ (حٰم سجدہ: ۵۳)

۴۔ ہر دور کے تقاضے کے مطابق ایک نیا علم کلام وجود میں آتا رہتا ہے اور اس کی تدوین علمائے اسلام پر فرض کفایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی ہر دور میں یہ بات ضروری ہے کہ تمام عصری علوم کا جائزہ لے کر کتاب الٰہی کے منشا و مقصد کے مطابق اس کی ابدی و سرمدی آیات میں غور و فکر کر کے نئے نئے علمی و سائنٹفک دلائل کی تدوین کی جائے جن کے ذریعہ عالم انسانی کی رہنمائی ہو۔ ورنہ وہ عنداللہ مجرم اور قصور وار ٹھہریں گے۔ یہ فریضہ قیامت تک علمائے اسلام پر ایک فرض کفایہ کے طور پر عائد رہے گا۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ط أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ٥	میرے ان بندوں کو خوش خبری سنا دو جو پوری بات کو غور سے سنتے ہیں پھر بہتر قول اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ

نے ہدایت سے نوازا ہے اور یہی پختہ

عقل والے ہیں۔ (زمر: ۱۷-۱۸)

ضرورت اس بات کی ہے کہ سائنسی علوم اور خصوصاً حیاتیات (بیالوجی) کو ہمارے اسلامی مدارس میں بھی رائج کیا جائے بلکہ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سورۂ اعلیٰ کی ان ابتدائی آیات (سبّح اسم ربّك الأعلى الذی خلق فسوّی والذی قدّر فهدیٰ) اور ان کے مطالب کو جلی حرفوں میں تحریر کر کے ان کی تختیاں تمام سائنسی درس گاہوں میں آویزاں کی جائیں اور ان آیات پاک کے مطالب تمام سائنسی طلبہ کے ذہنوں میں پوری طرح اتار دیئے جائیں جو انسان کو نہ صرف ایک لمحۂ فکریہ عطا کرتی ہے اور کائنات کا ایک مکمل و مربوط اور جامع تصور پیش کرتی ہیں بلکہ وہ غور و فکر اور ذہنی ارتقاء کی ہر منزل میں ایک رہبر و رہنما کا فریضہ بھی بخوبی انجام دیتی ہیں۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○

یہ نوعِ انسانی کے لئے اسباق ہیں اور یقین کرنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت (کا سامان) (جاثیہ: ۲۰)

محمد شہاب الدین ندوی

۲۲ / ۱۰ / ۱۹۸۰ء

فہرست حوالہ جات

اسلامی کتب :-

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تفسیر روح المعانی ، از علامہ شہاب الدین آلوسی ، مطبوعہ بیروت

۳۔ تفسیر کشاف ، از علامہ جار اللہ زمخشری ، مطبوعہ تہران

۴۔ تفسیر ابن کثیر ، از حافظ عماد الدین اسماعیل ابن کثیر ، عیسی البابی مصر

۵۔ تفسیر کبیر ، از امام فخر الدین رازی ، مطبع حسینیہ و عامرہ مصر ۱۳۲۴ھ

۶۔ تفسیر بیان القرآن ، از مولانا اشرف علی تھانوی ، مطبوعہ تاج پبلشر دہلی

۷۔ تفسیر جلالین ، از جلال الدین محلی و جلال الدین سیوطی ، عیسی البابی مصر ۱۳۴۶ھ

۸۔ تفسیر جواہر ، از شیخ طنطاوی جوہری ، مصطفی البابی الحلبی و اولادہ مصر ۱۳۵۱ھ

۹۔ فارسی ترجمہ قرآن اور مختصر حواشی موسوم بہ فتح الرحمٰن ، از شاہ ولی اللہ دہلوی ، مطبوعہ بمبئی

۱۰۔ تفسیر معارف القرآن ، از مفتی محمد شفیع صاحب ۔ مطبوعہ دیوبند

۱۱۔ الفوز الکبیر، از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

۱۲۔ لسان العرب، از ابن منظور، طبع جدید، بیروت ۱۹۶۸ء

۱۳۔ مفردات القرآن، از امام راغب اصفہانی، طبع بیروت

۱۴۔ القاموس المحیط، از مجد الدین فیروز آبادی، مصر، ۱۹۱۲ء

۱۵۔ المنجد، از الآب لوئس معلوف، بیروت، ۱۹۵۶ء

۱۶۔ لغات القرآن، از مولانا عبدالرشید نعمانی، ندوۃ المصنفین دہلی

۱۷۔ صحیح مسلم مع شرح نووی، رشیدیہ دہلی، ۱۳۷۶ھ

۱۸۔ سنن ترمذی

۱۹۔ مسند احمد بن حنبل

۲۰۔ مقالات شبلی، از علامہ شبلی نعمانی، حصہ چہارم، دارالمصنفین

سائنسی کتب :-

۲۱۔ نامعلوم انسان، از ڈاکٹر الکسس کیرل، اردو ترجمہ از محمد یوسف کوکن عمری ایم۔اے، مدراس یونیورسٹی، ۱۹۵۳ء

۲۲۔ خدا ہمارے ساتھ ہے، از کریسی موریسن، مترجم صلاح الدین احمد لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۲۳- ASIMOV.S GUID TO SCIENCE, VOL 2, PELICAN BOOKS LONDON, 1978.

۲۴- OUTLINES OF ZOOLOGY, BY M.E. AYYAR

MADRAS, 1976

۲۵- A CLASS BOOK OF BOTANY, BY A.C. DUTTA, OXFORD UNIVERCITY PRESS,

۲۶- BOTANY FOR DEGREE STUDENTS, BY A.C.-DUTTA, OXFORD UNIVERCITY PRESS, 1979.

۲۷- THE ENEYCLOPEDIA OF IGNORANCE, EDITED BY RONALD DUNCAN, PERGAMON PRESS, OXFORD, 1978.

۲۸- GREAT MEN OF INDIA, EDITED BY L. F.-RUSHBROOK WILLIAMS.

ہماری مطبوعات

حسبِ ذیل کتب خانوں سے بھی مل سکتی ہیں

- مکتبۂ دار العلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ
- مکتبۂ الفرقان۔ نیا گاؤں مغربی۔ لکھنؤ
- کتب خانہ رشیدیہ۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶
- دار المعارف۔ بھنڈی بازار۔ بمبئی ۳
- شرف الدین اینڈ سنس۔ محمد علی روڈ۔ بمبئی ۳
- مکتبۂ جامعہ۔ ابراہیم رحمت اللہ روڈ۔ بمبئی ۳
- کلثوم بک ڈپو۔ جامع مسجد باندرہ۔ بمبئی ۵۰
- تاج آفس۔ محمد علی روڈ۔ بمبئی ۳
- دار العلم۔ محمد علی روڈ۔ بھٹکل (کرناٹک)
- دار الاشاعت اسلامیہ۔ کولو ٹولہ اسٹریٹ۔ کلکتہ ۱

سول ایجنٹ برائے دہلی

کتب خانہ رشیدیہ۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶

عصرِ جدید کے مادہ پرستانہ چیلنج کے جواب میں

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

کی چند محققانہ تصانیف جو مسکت و دلنشین دلائل سے مزین جدید ذہن و دماغ کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا جواب اور اسلام کی ابدیت و عالمگیری کا سائنٹیفک ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

	قیمت
★ چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں	قیمت -/۱۰
★ اسلام اور عصر حاضر	" -/۱۲
★ سپریم کورٹ کا فیصلہ	" -/۱۰
★ بیالوجی قرآن کی نظر میں	" -/۱۰
★ شریعتِ اسلامیہ کی جنگ	" -/۱۸
★ اسلام اور جدید سائنس (نیا ایڈیشن)	" ....
★ قرآنِ مجید اور دنیائے حیات	" ....
★ اسرارِ نبوت : سائنٹیفک نقطۂ نظر سے	" -/۲
★ نظریۂ اشتراکیت	" -/۱
★ ہماری تعلیم کا مسئلہ	" -/۱
★ آسان عربی زبان (دو حصے)	" -/۹

Published by :

FURQANIA ACADEMY TRUST

165, Dasarahalli, Bangalore-560 057 (INDIA)

Phone : 384733